درس حدیث

محمد اظہر مدنی

غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرک عمر بن الخطاب وھو یسیر فی رکب یحلف بابیہ فقال:الا ان اللہ ینہا کم ان تحلفوا بآبائکم ، من کان حالفا فلیحلف باللہ أو لیصمت.(صحیح بخاری-6646 /کتاب الایمان والنذور باب لاتحلفوا ابابائکم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ چل رہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں آباء واجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔ جسے قسم کھانی ہے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔

تشریح: دور حاضر میں قسم کھانا ایک عام چلن اور فیشن بن گیا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانا پھر اس قسم کی بے حرمتی کرنا آج کل عام سا ہو گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اکثر قسمیں غیر اللہ کے نام کی کھائی جاتی ہیں، جبکہ شریعت اسلامیہ نے قسم کھانے کی اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں تاکہ اس کی عظمت واہمیت کے ساتھ کھلواڑ نہ ہو، اس کا مقام ومرتبہ باقی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قسم توڑنے کی پاداش میں بطور جرمانہ کفارہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ قسم کو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ’’حلف‘‘ اور ’’یمین‘‘ کہا جاتا ہے۔ انسان بہت ساری وجوہات کے پیش نظر قسم کھاتا ہے، کبھی تو اپنی بات میں قوت واستحکام پیدا کرنے کے لئے قسم کھاتا ہے تو کبھی لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور کبھی کذب بیانی کے ذریعہ اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلاوجہ قسم کھانا انسان کی عادت بن جاتی ہے پھر وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قسم ایک عظیم چیز ہے اس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات وصفات سے جوڑا ہے اور اپنے علاوہ غیروں کے نام اور ان کی صفات کی قسم کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو خبردار کیا اور ارشاد فرمایا: اگر تم کو قسم کھانی ہو تو اللہ کی قسم کھاؤ ورنہ خاموشی اختیار کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ’’لا والکعبۃ‘‘ نہیں، کعبہ کی قسم! تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی قسم نہ کھائی جائے کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے یا تو کفر کیا یا شرک کیا اور یہ دونوں ہی انسان کے ایمان کو برباد کر دینے والی چیزیں ہیں۔

لہٰذا قسم کی پاسداری بہت ضروری ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کبھی اپنی قسم نہیں توڑتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ اتارا، اس وقت انہوں نے کہا کہ اب اگر میں کوئی قسم کھاؤں گا اور اس کے علاوہ کوئی چیز بھلائی کی ہوگی تو میں وہی کام کروں گا جس میں بھلائی ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرونگا۔ اس واقعہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غلط بات پر قسم کھانا اور اس پر اڑے رہنا کوئی بہادری کی بات نہیں ہے بلکہ کفارہ ادا کر کے اس سے بری ہو جانا چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم کھاتے تھے یا اللہ کی کسی صفت کے ساتھ جیسے ’’واللہ‘‘ ’’وباللہ‘‘ ’’وتاللہ‘‘ یا کبھی کہتے ’’یامقلب القلوب‘‘ دلوں کے پھیرنے والے اللہ کی قسم۔ یا کبھی کہتے ’’والذی نفسی بیدہ‘‘ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا فرماتے ’’وعزتک‘‘ تیری عزت کی قسم...... اس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور دین یا مذہب کی قسم کھاتا ہے تو اسے بطور کفارہ کلمہ توحید ’’لا الہ الا اللہ‘‘ پڑھنا ہوگا۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’**من حلف باللات والعزی فلیقل :لاالہ الااللہ**‘‘ جس نے لات وعزی کی قسم کھائی اسے بطور کفارہ کلمہ توحید پڑھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی بھول چوک سے قسم کھائے یا توڑ ڈالے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے البتہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قسم کا بڑا مقام ومرتبہ ہے شریعت میں، لہٰذا احتیاط کا پہلو ہمیشہ غالب رہنا چاہئے اور اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کبیرہ گناہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کی ناحق جان لینا اور قصداً جھوٹی قسم کھانا۔ اسی طرح دنیاوی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے جھوٹی قسم کھانے کی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے دنیا کی معمولی پونجی خریدتے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے: ’’**وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا**‘‘ (اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد پھر نہ توڑو۔) ’’**وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا**‘‘ (تم اللہ کی ضمانت اپنی بات پر دے چکے ہو۔) اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم تمام لوگوں کو شریعت پر کاربند رہنے نیز قسم اور اس جیسے شریعت کے وہ تمام احکام ومسائل جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں ان کو سیکھنے، سکھانے اور عام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین ☆☆

اصغر علی امام مہدی سلفی

اداریہ

تزکیۂ نفس

انسان نام ہے روح اور جسم کے مجموعے کا۔ گو بظاہر جسم ہی انسان کی شکل میں نظر آتا ہے، مگر اہل نظر کی نظر ہمیشہ روح پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی گرچہ جسمانی طور پر قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہے، لیکن اس کی اصل روحانی قوت ہی ہے۔ لفظ مومن انتہائی معنی خیز ہے۔ صرف جسمانی اعتبار سے قوی ہونا اللہ تعالیٰ کو بھی مطلوب نہیں ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (مسلم) روحانیت کے ساتھ جسمانیت اور جسامت کی حیثیت بڑھ جاتی ہے۔ اگر جسم روح سے خالی ہو یا وہ روحانی قوتوں سے خالی ہے تو ایسا جسم جتنا بھی قوی نظر آئے چنداں مفید نہیں۔ نہ عنداللہ محبوب ہے نہ عندالناس مطلوب ہے، بلکہ وہ جسم خود انسان کے لئے بوجھ ہے اور دوسروں کے لے بھی مصیبت ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اکثر اوقات وحالات میں روح اور روحانیت کو ہی اہمیت دی ہے۔ چونکہ جسم روح کے لئے مکان کی حیثیت رکھتا ہے یا یوں کہیں کہ وہ ایک برتن کی طرح ہے جس میں روح رہتی ہے۔ برتن کی حفاظت کے ساتھ اہم کام اس میں موجود روح کی قیمت، حیثیت اور ضرورت کا تشخص وتحفظ ہے۔ خود اس روح کے لئے بھی روحانی غذا چاہیے۔ وہ غذا جتنی اچھی، صاف ستھری، پاکیزہ اور غذائیت اور وٹامنس سے پر ہوگی جسم اتنا ہی تندرست ہوگا اور اس سے صادر ہونے والا ہر کام اور ہر چیز مفید ہوگی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

اقبل علی النفس واستقبل فضائلها
أنت بالروح لا بالجسد انسان

”روح اور نفس پر مکمل توجہ دو اور اس سے جو بہترین اعمال وفضائل سرزد ہوتے ہیں ان کو ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے جتن کرتے رہو۔ اس لئے کہ تمہارا انسان ہونا تمہاری روح اور نفس انسانی کی وجہ سے ہے، نہ کہ خالی وخولی جسم کے ڈھانچے کی وجہ سے۔“

ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر انسان اپنے جسم کا بہت خیال رکھتا ہے۔ کھانے، پینے، پہننے اور ورزش اور دیگر ریاضت، اکسرسائز وغیرہ کے ذریعہ اپنے جسم کو

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
تصور دین ۸
سنت نبوی بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے ۱۰
دعا۔ جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا ۱۴
پختہ قبروں سے متعلق اسلام کا موقف ۱۶
موجودہ حالات اور مسلمان ۱۸
نوجوانوں کا اخلاقی زوال ایک المیہ ۲۳
طواف افاضہ سے متعلق ایک اہم مسئلہ ۲۵
نکاح راحت وسکون کا ضامن ۲۷
ہمارا ماحول ۲۹
جماعتی خبریں ۳۰
اخبارات سے ۳۱
اپیل ۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

فٹ اور چست و درست رکھنے کا وہ حد درجہ اہتمام کرتا ہے۔ اس کے گھر والے، والدین اور خاندان و معاشرہ کے بہت سارے لوگ اس کی صحت و توانائی کے سلسلے میں فکرمندی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اطباء کو بھاری قیمت دیکر حفظان صحت جسمانی کا خیال رکھتا ہے۔ مناسبت، موقع و محل، موسم اور سیزن کے حساب سے جسم کو غذا فراہم کرتا ہے۔ تین وقت ورنہ بسا اوقات دو وقت کا کھانا لازما کھاتا ہے اور یہ حفظان صحت کے اصولوں میں سے ہے۔ ہمارے اساتذہ، حکماء اور اطباء ہماری جسمانی صحت کے لئے وقت پر کھانا کھانا ضروری قرار دیتے تھے اور صبح کے ناشتہ کو تریاق قرار دیتے تھے اور کچھ نہ مل سکے تو داشتہ (باسی) ہی سہی۔ وہ یہ معروف مقولہ بڑی اہمیت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آج بھی اساتذہ و والدین اسے بروقت پڑھتے نہیں چوکتے۔

اک لقمۂ صباحی بہتر از مرغ و ماہی

صبح سویرے انسان کے لیے ایک لقمہ ہی سہی کھالینا ضروری ہے۔ بلکہ وہ مرغ مسلم اور ماہی مزیدار و مقوی جو بعد میں ملے سے بہتر ہے۔ جسم کو صحیح کام کرنے کے قابل بنائے رکھنے اور اسے اپنا وظیفہ حیات روحانی و جسمانی ادا کرنے کے لئے مناسب غذا صبح سویرے ہی ملنی ضروری ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ دوپہر میں ”غدا“ یعنی لنچ کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور رات میں بھی خالی پیٹ سونا ان کو گوارا نہیں۔ کیونکہ جس طرح صبح بھوک کی شدت ہوتی ہے، اس کے بغیر کوئی کام دھام اور کاز کرنا دشوار ہوتا ہے، اسی طرح دوپہر میں بھی کھانے کی طلب ہوتی ہے۔ جسم کو کچھ نہ کچھ چاہیے۔ اگر آپ نے اچھی، صاف ستھری، پاکیزہ اور وٹامن اور کلوری سے بھرپور غذا کو اپنا معمول بنالیا تو جسمانی کمزوری اور تھکاوٹ سے دور رہیں گے اور پوری قوت سے اپنے فرائض ادا کرلے جائیں گے، ورنہ خطرناک بیماریوں کے شکار ہوتے چلے جائیں گے، جس سے انسان کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے گی۔ یہی حال روحانی غذا کا بھی ہے۔ شارع حکیم نے خود فرمایا ہے کہ يَـٰٓأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ”اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب نے) تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر درست اور برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“ (الانفطار:۶-۸)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم کے لائق حال شکم مادر سے ہی مناسب و بہترین غذا فراہم کردی۔ اب اگر تم اس میں حرام، جراثیم زدہ، مردار، زہر آلود اشیاء اور منشیات و مشتبہات کی ملاوٹ کروگے تو تمہارا جسم حتی کہ تمہاری روح بھی بیمار پڑتی چلی جائے گی۔ اگر حاذقین حفظان صحت کی سنو گے اور ماہرین نفسیات، اطباء روحانی و جسمانی اور قرآن وحدیث کے راسخین فی العلم سے معلوم کروگے تو وہ اس بات پر متفق نظر آئیں گے کہ روحانی و جسمانی غذا کا ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور روحانی غذا کا جسمانی صحت پر اور جسمانی غذا کا روحانی صحت پر۔ یہاں توجیہات میں فرق پڑسکتا ہے۔ اگر لبرل اور الحاد زدہ ہیں تو سائکلوجیکل اور دیگر ناموں سے اسے یاد کرکے تسلی کرلے جاتے ہیں۔ بہت سے ملکوں میں قرآن، ذکر و فکر، نظافت طمانیت وغیرہ کے ذریعہ بسا اوقات پیچیدہ اور لاینحل بیماریوں کا علاج ایک کامیاب چیز تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں یہ آسمانی نسخے ڈھنگ سے نہیں ملے وہاں لوگ یوگ، موسیقی وغیرہ سے تسلی حاصل کرتے ہیں۔ خصوصا ذہنی بیماریوں اور امراض قلب کے لیے نسخہ کیمیا اور تریاق دلوں کے مالک اور ان کے اندر متصرف اللہ تعالیٰ نے بڑی اہمیت کے ساتھ بتادیا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ”یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔“ (الرعد:۲۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ”یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں۔ مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔“ (الاسراء:۸۲)

دراصل غور کرنے والے، ایمان لانے والے اور یقین کرنے والے کے لئے عبرت، نصیحت، موعظت اور طبابت کے ڈھیر سارے نسخے اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادیئے ہیں۔

روح ہی اصل ہے یا یوں کہیے کہ روح کی اہمیت اور ضرورت جسم کے بالمقابل زیادہ ہے۔ اسی طرح اس کی تندرستی بھی زیادہ اہم ہے۔ اس لئے کہ جسم مردہ ہو جاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے۔

کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے

بلکہ روح اس عارضی جسم، مٹی کے برتن اور عارضی مکان سے انتقال مکانی کرکے حیات جاودانی حاصل کر لیتی ہے اور اسی کے شایان شان اور اتنے ہی یقین اور ایقان کے ساتھ اس کو قوت بھی فراہم کردی جاتی ہے۔ اس ڈھانچے اور سانچے میں اس کو ساٹھ ستر سال رہنا تھا، اس لئے اس ڈھانچے کو اور جسم و مکان

اور برتن کو اتنا ہی مضبوط بنایا گیا کہ ساٹھ سال چل جائے۔ اتنی عظیم دولت اور ہمیشہ رہنے والی اس قوت وطاقت کے بوجھ کو یہ مٹی کا گھروندا کتنا برداشت کرے گا، بڑی مضبوط مٹی سے بن بھی گیا تو روح کی قوت وثقل کو بہت دنوں تک برداشت نہیں کرسکتا۔

غالباً اسی لئے اس کو مٹی کا مکان ملا۔ جب زمین بھی عارضی ہے تو پھر اس کے مکین کا کیا حال ہوگا۔ اذا رجت الارض رجا بڑی سادگی سے اپنی بھڑاس کو لوگ حقائق وشکایت کے طور پر نکالتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اعلیٰ علیین ، فردوس الاعلی، ملاء اعلیٰ اور مکان ومرتبہ بالا کے حیز عزیز کا طین وزمین اور خاک سے کیا رشتہ ہے؟ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک! وہ جنۃ الماویٰ میں ٹھکانہ بنا چکی ہے اور تم کیا خاک چھانتے پھر رہے ہو وہ توفی حواصل خضر اپنے رب کے حضور حاضر ہوکر اپنی روزی لے رہی ہے۔ لہٰذا خاک قبر سے شکوہ بیجا ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہا ئے گرانمایہ کیا کئے

تم غور کرو تو زمین کے ان ذروں کو آفتاب وماہتاب بن کر افق عالم پر چمکنے کا کام کہاں سے ہوا۔ حقیر پانی اور نطفے سے بنا ہوا مسجود ملائک کیونکر بن گیا۔ ماں باپ، بھائی سب کیوں کر یوسف کے سامنے سربہ سجود ہو گئے اور کیونکر سب فدا اور نہال ہو گئے، وہ جس ننھے سے بچے کے ادنیٰ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ایسا کیا ہو گیا کہ کوئیں میں دفن کئے گئے اور بازار مصر میں دراہم معدودہ وفرسودہ کے بدلے کوڑیوں کے بھاؤ بیچے گئے خزائن مصر کے اسی مالک کے آگے پروانہ وار اور بطور فدا کار سجدہ ریز ہوگئے۔

آہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کسی کی تحقیر پر آتے ہو تو اسے مٹی میں ملا کر دم لیتے ہو اور جب غلو واطراء پر اتارو ہوتے ہو تو جسم خاکی کے بھی ملاء اعلیٰ اور رب اعلیٰ سے ڈانڈے ملا دیتے ہو۔ اس افراط وتفریط میں تم ان دو انتہاؤں پر پہنچ کر خسر الدنیا و الآخرۃ ،گم کشتہ راہ اور راندۂ درگاہ پروردگار قرار پاتے ہو۔ اس جسم کی حفاظت وترقی کے لئے ساٹھ سالہ زندگی صرف کر دیتے ہو، اس بدن وجسم کی حفاظت وحفظان میں سرگرداں رہتے ہو اور رات دن اسی کی خدمت اور آرام کے لئے مرتے رہتے ہو۔ جسے ایک دن مٹی ہی بن جانا ہے۔ یاد ماضی کو عذاب بنا لیتے ہو، مگر اس روح کی قدر نہیں کرتے جو مٹی میں ملنے کے بجائے اور آگ میں راکھ بننے کے بجائے آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔

وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ''قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی۔ پھر سمجھ دی اس کو برائی کی اور بچ کر چلنے کی۔'' (الشمس:۷۔۸)

کیا یہ کافی نہ تھا کہ فجور سے بچ جاتے اور تقویٰ وروحانیت کو پروان چڑھاتے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ''جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا'' (الشمس:۹) کی بشارت عظمٰی سے شادکام ہوجاتے اور وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ''اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا'' (الشمس:۱۰) کی عبرت ناک وہولناک اور بری خبر سے چوکنا ہوجاتے۔

پھر ذرا اس بیان حق ترجمان پر قربان ہوجاؤ کہ حق تعالیٰ نے بندوں کی رہنمائی وبھلائی کے لئے خود اس کے اندر خیر وشر کی تمیز ودیعت کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود انسان کی عقل وخرد پر معاملہ کو موقوف نہیں کر دیا، بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو پیغام حق دے کر بھیجا اور اچھے برے اور نفع بخش وضرررساں چیزوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے واضح فرامین عطا فرمائے۔ اگر ان انبیائے کرام کی شفقت ومحبت، ہمدردی اور اخلاص پر ساری ماؤں کی مامتائیں قربان ہوجائیں اور باپوں کی شفقتیں نثار کر دی جائیں پھر بھی انسانیت اور خلق الٰہی کے لئے ان کی دردمندی وفکرمندی، دلداری ودلسوزی اور غمخواری کا حق ادا نہ ہو۔ ان کو بشیر ونذیر اور ناصح وامین بنا کر بھیجا گیا اور انہوں نے نصح وخیرخواہی کی انتہا کر دی، بیان وتوضیح اور وعظ وتقریر دلپذیر فرمائی اور کمال مہر ومروت اور محبت والفت کا بے مثال وبے نظیر ثبوت پیش فرما دیا اور ''لتبین للناس ما نزل الیهم'' (النحل:۴۴) کا عملی نمونہ پیش فرما دیا اور تعلیم وتزکیہ اور تقویٰ وتطہیر کے لئے بھیجے گئے تو اس کا حق ادا کر دیا۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' (الجمعہ:۲)

قلب وجگر، ذہن وفکر اور جسم وجان کی صفائی کا جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا، کیا اس کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ دراصل تزکیہ وتقویٰ اور

تطہیر قلوب بعثت انبیاء کرام اور رسول خاتم الانبیاء کا مقصد عظیم تھا۔

اسلام نے جب تمام گوشہائے زندگی اور شعبہائے حیات میں واضح رہنمائی فرمائی ہے تو پھر وہ انسان کو کھانے پینے کے آداب وتعلیمات سے کیونکر محروم رکھ سکتا تھا، حتی کہ اس نے قضاء حاجت بشری کے بھی طریقے بتائے اور تعلیم دی۔ اس میں روحانیت اور معنویت کی بھی کارفرمائی ہے، یا کم از کم جسمانی غذا سے زیادہ روحانی غذا کو اہمیت دی گئی ہے۔ ورنہ روح کی صفائی، اس کی تطہیر اور اس کا تخلیہ وتحلیہ کر کے اور اسے صاف ستھرا پاکیزہ بنا کر اس میں توحید کی عظمت سے لے کر عقیدہ، اصول، اخلاق، حلم وبردباری، تقوی شعاری، عبادت گزاری، شب بیداری، خوش خلقی، صلہ رحمی، مہمان نوازی، غرباء پروری اور رواداری وانکساری وغیرہ سے نفس اور روح کو مزین کرنے اور ان روحانی غذاؤں سے جسم کو بھرنے کی تلقین نہیں کی جاتی۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ جسم کو قائم اور تندرست رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ انسان تین مرتبہ کھانے کا مکلّف ومحتاج ہوسکتا ہے لیکن روحانی غذا کم از کم دس مرتبہ لینی ضروری ہے۔ پھر راقم سطور کا خیال ہے کہ روحانی غذا کی ہر وقت ضرورت ہے۔ اس لئے ہر معاملے میں سچائی اور اچھائی کو برتنے کے ساتھ ہی ہر وقت کے لئے اوراد واذکار متعین کئے گئے ہیں۔

دراصل اس کا تعلق جسم سے زیادہ روح سے ہے، یعنی کثافت جسمانی سے پاک ہونا روح وجسم دونوں کی صحت وپاکیزگی کے لئے ضروری ہے۔ پھر دیکھو! مغرب کے بعد عشاء کی نماز، یعنی غذائے روحانی کا انتظام کیا جارہا ہے۔ پھر شام کے اوراد ووظائف جو ہماری روح جو اصل ہے کی تقویت کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ عین سونے سے پہلے اور بستر پر پہلو رکھنے کے ساتھ ہی بہت سی وٹامنس اور غذائیں درکار ہوتی ہیں، اس لیے عشاء کی باجماعت نماز کی شکل میں یہ گارنٹی دیدی گئی کہ عشاء کی باجماعت نماز جو پڑھ لیتا ہے اس کو پوری رات عبادت کا ثواب ملتا ہے یعنی رات بھر اسے روحانی غذا پہنچائی جاتی رہتی ہے۔ پھر بھی معوذتین، ثلث القرآن قل ھو اللہ احد اور قرآن کے دل زہراوین کی آخری آیات کی تلاوت وغیرہ کے علاوہ انتہائی پر مغز اور جامع ومانع ملٹی پر پز (کثیر المقاصد اور کثیر الفوائد ادعیہ ماثورہ کی شکل میں) مرکبات اور نسخہ ہائے بیش بہا کے استعمال کرنے کی تاکید ہوتی ہے۔

دراصل روح کی بالیدگی اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے ہی رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے ہیں، اس کی راتوں کی نمازوں کو سنت موکدہ قرار دیا گیا ہے، اس ماہ مبارک میں بطور خاص حرام چیزوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، بلکہ روزے کے اوقات میں حلال وپاک کھانا، پانی اور اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کو بھی اللہ کے حکم کے بموجب انسان اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ دنیا کی ساری برائیوں؛ قول زور، دروغ گوئی وغیبت، گالی گلوچ، سب وشتم، لڑائی جھگڑا، عداوت ودشمنی اور حسد وکینہ سے مکمل دوری ومہجوری اختیار کر لیتا ہے۔ صدقہ فطر، زکوۃ وخیرات، سخاوت وفیاضی اور غریبوں کو کھانا کھلانے مسکینوں اور روزادروں کو روزہ افطار کرانے، آہ سحر گاہی کرنے، قیام وصیام کو بحسن وخوبی برتنے اور غصہ پر قابو رکھنے کی کوشش کرتا ہے، تلاوت کلام پاک جو دلوں کی دنیا بدل ڈالتی ہے، جس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایمان میں بڑھوتری ہونے لگتی ہے، کا بکثرت اہتمام ہونے لگتا ہے۔ دوسرں کی بھوک وپیاس کی شدت کو محسوس کرنے لگتا ہے اور قحط زدہ، مصیبت زدہ اور جنگ زدہ بھوکی پیاسی قوموں کی تکلیف کا احساس ایک روزہ دار سے زیادہ کوئی کرسکتا ہے؟ اس لئے اس کے دست جود وسخا دراز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب وہ اپنے نفس اور نفسانیت ورعونت اور کبر وغرور کو بھلا دیتا ہے اور متقی اور پرہیزگار بن کر فلسفہ روزہ اور مقصد حیات انسانی تزکیہ واحسان اور تقوی وورع کے درجہ بلند پر فائز ہوجاتا ہے۔ اب اس کے اثرات بقیہ پوری زندگی پر عموما اور پورے سال تک خصوصا مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ سچ فرمایا اللہ جل شانہ نے ''اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ''بات یہی ہے کہ جو بھی گنہ گار بن کر اللہ تعالیٰ کے یہاں حاضر ہوگا۔ اس کے لئے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔ اور جو بھی اس کے پاس ایماندار ہوکر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کئے ہوں گے اس کے لئے بلند وبالا درجے ہیں۔ ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہے۔'' (طٰہٰ:۷۴-۷۶)

محوسیئات کے ساتھ رفع درجات عالیہ بھی نصیب ہوتے ہیں اور یہ سب

کچھ صرف اور صرف بدلہ ہے تزکیہ واحسان اور تہذیب نفوس کا۔ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَکّٰی ’’یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہے۔‘‘ (طٰہٰ:۷۶)

دراصل مومن کا دل انسان کامل وکامران اسی وقت ہوتا ہے جب وہ رذائل وبرے خصائل اور خبث وخبائث سے پاک صاف ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جاکر تزکیہ کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کوفرعون کے پاس پہلا کام یہی کرنے کا حکم دیا۔ اِذۡهَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُلۡ هَلۡ لَّکَ اِلٰۤی اَنۡ تَزَکّٰی وَاَهۡدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخۡشٰی ’’تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کرلی ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے۔‘‘ (النازعات:۱۷-۱۹)

خود خاتم النبیین محمد ﷺ کا وظیفہ بھی یہی بتایا گیا۔ بلکہ بعض مناسبات سے سخت ہدایت کی گئی کہ تزکیہ کا کام سب پر مقدم ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰۤی ’’وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا (صرف اس لئے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا‘‘ (عبس:۱-۳)

تزکیہ وتقوی کو کامیابی وناکامی کا معیار ومیزان قرار دیا گیا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ’’بیشک فلاح پالی جو پاک ہوگیا۔‘‘ (الاعلیٰ:۱۴)

جہنم کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بھی زکوۃ کو بتایا گیا۔ وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ’’اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہوگا۔ جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہے۔‘‘ (اللیل:۱۷-۱۸)

سب سے بڑے متقی بلکہ امام الاتقیا ﷺ کا وظیفہ بخالت جیسی رذالت سے بچانے کے لئے بھی تزکیہ مال کا حکم دینا بنایا گیا خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا ’’آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک وصاف کردیں‘‘ (التوبۃ:۱۰۳)

دراصل جو بھی اپنا تزکیہ کرتا ہے، اپنے نفوس کو سنوارتا ہے اور نکھارتا ہے وہ دین ایمان اور اللہ ورسول پر احسان نہیں کرتا بلکہ سراپا اپنے لئے ہی کرتا ہے۔ اس کے دنیوی منافع اور اس کے بدلے اخروی سرخروئی اور بلند وبالا منازل اسی کو حاصل ہوں گے۔ وَمَنۡ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفۡسِهٖ وَاِلَی اللّٰهِ الۡمَصِیۡرُ ’’اور جو بھی پاک ہوجائے وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاک ہوگا۔ لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔‘‘ (الفاطر:۱۸)

اسی تاکید الٰہی اور وصیت ربانی کا نتیجہ تھا کہ سب سے بڑے ہونے اور بلاشرکت غیرے سب سے اونچے مقام پر فائز کیے جانے کے باوجود صادق المصدوق نبی ختم الرسل ﷺ بایں ہمہ پاکیزگی اپنے رب سے تقوی اور تزکیہ قلب طلب فرماتے تھے، پھر ہمارے اندر تقویٰ وتزکیہ کے حصول کے لئے کیسی بےچینی وطلب ہونی چاہیے؟ چنانچہ آپ کی مشہور دعاؤں میں سے یہ بھی تھی:

اللهم آت نفسي تقواها وزكها انت خير من زكاها انت وليها ومولاها ’’اے اللہ! میرے دل کو تقویٰ دے، اس کو پاکیزہ کردے، تو ہی اس (دل) کو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا رکھوالا اور اس کا مددگار ہے۔‘‘ (مسلم)

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات

بابت فارم نمبر ۴، رول نمبر ۸

۱	نام پرچہ	:	جریدہ ترجمان
۲	وقفہ اشاعت	:	پندرہ روزہ
۳	مقام اشاعت	:	اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۶
۴	طابع وناشر	:	محمد طاہر
۵	قومیت	:	ہندوستانی
۶	مکمل پتہ	:	اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۶
۷	اڈیٹر	:	عبدالقدوس اطہر نقوی
۸	قومیت	:	ہندوستانی
۹	مکمل پتہ	:	اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۶
۱۰	ملکیت	:	مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۶

میں محمد طاہر، پرنٹر پبلیشر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا امور میرے علم ویقین کے مطابق صحیح ودرست ہیں۔

دستخط

محمد طاہر

تصور دین

مولانا محمد شمس الحق فیضی
نائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ

یہ روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ازل سے ابد تک پسندیدہ اور پائیدار دین، دین اسلام ہے۔ اب ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ کا دین، دین اسلام ہے تو پھر بندوں تک کیسے پہنچا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس لیے کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے قلب اطہر پر اترا ہے۔ (سورہ شعراء: 193) جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ دین تھا اس کے اندر قران بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والے دیگر ضابطے بھی ہیں کیونکہ ہم اسے وحی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات ما مثلہ اومن او آمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا أوحاہ اللہ الی فارجو انی اکثرھم تابعا یوم القیامۃ انبیاء میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جن کو کچھ نشانیاں یعنی معجزات نہ دیے گئے ہوں جن کے مطابق ان پر ایمان لایا گیا یعنی انسان ایمان لائے اور مجھے جو بڑا معجزہ دیا گیا وہ وحی قران مجید ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجا بس میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن شمار میں تمام انبیاء سے زیادہ پیروی کرنے والے میرے ہوں گے (صحیح بخاری 7274) اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور معجزہ وحی دیا گیا ہے اور وحی سے صرف قران مجید مراد ہو ایسا نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی وحی ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دین نازل ہوا ہے اور دین سے مراد ہم بھی کہتے ہیں کہ قران نازل ہوا ہے اللہ کہتا ہے نزل بہ روح الامین یہ دین امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے پاس آیا ہے۔ تا کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ ہو. صرف رب کریم فرشتہ کہہ دیتا تو کافی تھا لیکن روح الامین کہہ کر دین کی حساسیت کو ظاہر کرنا ہے کہ دین کو نازل کرنے والا اللہ رب العالمین احکم الحاکمین ہے تو دین کو لانے والا جبرائیل امین ہے اور جس ذات پر قران یا دین کو نازل کیا گیا وہ صادق المصدوق رحمۃ للعالمین نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں. یہ مسئلہ واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دین نازل ہوا خواہ قران کی صورت میں ہو یا دوسرے ضابطے کی صورت میں اس لیے کہ جو کچھ نازل ہوا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا نزول قران کا مقصد ہدی للناس ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کریں تو حدیث ہوتی ہے آپ کوئی کام کریں تو حدیث ہوتی ہے۔ آپ کے سامنے کوئی کام کرے اور آپ اس کو برقرار رکھیں تو بھی حدیث ہوتی ہے۔ اصطلاح میں ما صدر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر فھو الحدیث تو اب سوال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے تو قرآن کدھر گیا؟ قرآن تو آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن اس وقت قرآن ہوا جب آپ نے صحابہ کرام کو قرآن اور حدیث کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے کہا یہ قرآن ہے، یہ آیت فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد لکھو تب جا کر قرآن بنا، ترتیب آپ نے لگوائی قرات آپ نے لکھوائی، یہ قرآن 22 سال پانچ مہینے 22 دن تک نازل ہوتا رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ کرام کو قران کریم کی ترتیب لکھاتے رہے وہ ترتیب توقیفی ہے ترتیب کی دو قسمیں ہیں ایک ترتیب نزولی اور دوسری ترتیب توقیفی ترتیب توقیفی کا مطلب قران کریم کی ترتیب اللہ کی طرف سے اتری ہے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے اس بات پر اجماع امت اور کئی روایات نقل کی ہیں کہ قران کریم کی موجودہ ترتیب ترتیب توقیفی ہے۔ لہٰذا اللہ رب العالمین کا کلام قران مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو تقدیم وتاخیر کا فرق بیان کرتا ہے تو اس کی فہم میں فرق ہے جو اولیت اور ثانویت کا فرق چھیڑتا ہے تو اس کے فہم وفراست میں کجی ہے اور انکار حدیث کا شاخسانہ ہے۔ یہ دین قرآن و حدیث دونوں کا نام ہے چونکہ اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمایا ہے اور وحی متلو بھی ہو سکتی ہے اور غیر متلو بھی۔ غور کریں اس حدیث رسول پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑا ایک شخص کے لیے باعث ثواب ہے دوسرے کے لیے بچاؤ ہے اور تیسرے کے لیے وبال جان ہے جس کے لیے گھوڑا اجر وثواب ہے وہ وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ کے لیے اس کو پالے وہ کسی ہریالی میدان میں باندھے راوی نے کہا یا کسی باغ میں تو جس قدر بھی وہ اس ہریالی میدان میں یا باغ میں چرے گا اس کی نیکیوں میں لکھا جائے گا اگر اتفاق سے اس کی رسی ٹوٹ گئی اور گھوڑا ایک دو قدم کودا تو اس کے آثار قدم اور لید بھی مالک کے نیکیوں میں لکھے جائیں گے۔ اور اگر وہ گھوڑا کسی ندی سے گزرے اور اس کا پانی پیے اور مالک نے اسے پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تو بھی اس کے نیکیوں میں لکھا جائے گا تو اس نیت سے پالا جانے والا گھوڑا انہی وجوہ سے باعث ثواب ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو لوگوں سے بے نیاز رہے اور ان کے سامنے دست سوال بڑھانے سے بچنے کے لیے گھوڑا پالے پھر اس کی گردن اور اس کی پیٹھ کے سلسلے میں اللہ تعالی کے حق کو بھی فراموش نہ کرے تو یہ گھوڑا اپنے مالک کے لیے پردہ ہے۔ تیسرا شخص وہ ہے جو گھوڑا کو

فخر، دکھاوے اور مسلمانوں کی دشمنی میں پالے تو یہ گھوڑا اس کے لیے وبال جان ہے۔ گدھوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: **ما انزل الله علی فیها شئی الا هذه الآیات الجامعه الفاذه فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره** مجھے اس کے متعلق کوئی حکم وحی سے معلوم نہیں ہوا سوائے اس جامع ترین آیت کے ''جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا (صحیح بخاری 2371) یعنی یہ آیت کریمہ ہر جگہ اپلائی ہو جائے گا نیک کام کرے گا نیکی ملے گی برائی کرے گا سزا ملے گی، گدھا کے بارے مستقل طور پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو گھوڑے کے متعلق تفصیلی بیان فرمایا اس کے بارے میں بھی تو کوئی مستقل آیت نازل نہیں ہوئی بلکہ وہ بھی تو حدیث ہے نص حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا کے بارے میں اللہ کریم نے حکم نازل کیا ہے۔ لیکن گدھے کے متعلق کچھ نازل نہیں کیا مگر یہ عام آیت ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث بھی وحی ہے اور وحی غیر متلو ہے اور وہ بھی دین ہے اس کی اور چند مثالیں ہیں۔ **عن عبدالله ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حرق نخل بنی نضیر وقطع وهی البویره فانزل الله عزوجل مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ** سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نظیر کے کچھ کھجور کے درخت جلائے اور کاٹ ڈالے یہ مدینہ میں بویرہ کا مقام تھا اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی، تم نے کھجور کا جو درخت کاٹ ڈالا یا اسے اپنے جڑوں پر کھڑے چھوڑ دیا وہ اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے تا کہ وہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے (صحیح مسلم 4552) یہ کاٹ دو یہ چھوڑ دو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے نہ کہ اللہ کا کلام حالانکہ اللہ کہہ رہا ہے یہ اللہ تعالی کی اجازت سے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وحی الٰہی اللہ کے کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دونوں کو کہتے ہیں اور دونوں دین کا اصلی مصدر ہیں۔ کیونکہ دین اللہ کا ہے اور نازل ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے دین کے معاملہ میں مکمل اتھورٹی کی حیثیت رکھتے ہیں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورہ الاحزاب:۲۱) یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے (سورہ احزاب آیت نمبر 21) اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہی نہیں ہیں **وما ینطق عن الهوی** اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں (سورہ نجم آیت نمبر تین) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل 22 سال پانچ مہینہ 22 دن صحابہ کرام کو دین سکھاتے رہے آپ جو صحابہ کو سکھاتے وہ دین بنتا تھا آپ جو ہاں کہہ دیتے تھے تو وہ دین بن جاتا تھا آپ نہ کہہ دیتے تھے تو بھی دین بن جاتا تھا آپ خاموش رہ جاتے تو بھی دین بن جاتا تھا اب دین صرف وہ ہے جس کے ساتھ حوالہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، آپ اپنی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہوں آپ کو کوئی بھی کام کرنا ہو یا آپ کو کوئی بھی فیصلہ لینا ہو آپ کو سب سے بہترین رہنمائی اسلام کے بنیادی اصولوں میں ہی ملے گی، اللہ رب العزت والجلال کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے دین کو مکمل کر دیا، حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ رب العالمین نے دین کی تکمیل کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لیے پسند کر لیا (سورہ مائدہ آیت نمبر 3) معاشرتی زندگی کے اتار چڑھاؤ ہوں، یا سیاسی زندگی کی پر پیچ وادیاں، یا زندگی کے نشیب وفراز ہوں، معاشی زندگی کی راہداریاں اور تاریک گھاٹیاں، زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اسلام نے ہمیں ایک بہترین نظام، ایک لائق عمل دستور اور بہترین لائحہ عمل عطا کیا ہے۔ اس کے مکمل ترین دین کو رسول رحمت نے امت تک پہنچا دیا اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **ما ترکت شیئا یقربکم الی الله ویبعدکم عن النار الا أمرتکم به وما ترکت شیئا یقربکم الی النار ویبعدکم عن الله الا ونهیتکم عنه** میں نے تمہیں ہر اس بات کا حکم دیا ہے جو تمہیں اللہ سے قریب اور جہنم سے دور کر دے اور تمہیں ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمہیں جہنم سے قریب اور اللہ سے دور کر دے۔ علامہ البانی رحمت اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے اس حدیث کو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے بطور مرسل اپنے سنن کے مقدمہ میں نقل کیا ہے اور امام طبرانی نے موصول طریقے سے نقل کیا ہے حاکم حدیث نمبر 2136 بیہقی فی شعب الایمان 10376 السلسلہ الصحیحہ للالبانی 2866۔ اللہ رب العالمین نے آپ کو مکمل دین عطا فرمایا ہے اور آپ نے بھی اسے بلا کم وکاست مکمل طور پر امت تک پہنچا دیا ہے اس کا ادنی شوشہ بھی آپ نے امت سے چھپا کر نہیں رکھا ہے اس لیے اب نہ دین میں کسی اضافے کی گنجائش ہے نہ شرعا دین میں کسی اضافہ کی اجازت ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں۔ **ومن زعم أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کتم شیئا من کتاب الله فقد أعظم علی الله الفریة والله یقول یا ایها الرسول بلغ ما أنزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته** جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی کتاب میں سے کچھ

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

سنت نبوی بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے

مولانا غازی عزیر

ہمارا یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفاظ کو قرآن محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح حفاظ حدیث کو بھی احادیث نبوی کی حفاظت کی توفیق بخشی ہے، کیونکہ اگر حدیث دین ہے تو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی حق تعالیٰ کو ہی ہونا چاہیے ورنہ دین ناقص رہ جائے گا۔ بعض لوگ بلاوجہ یہاں اس بے اطمینانی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ رواۃ اور حفاظ حدیث بہرحال تھے تو انسان ہی، انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں ان کے آگے تو وہ بھی نہیں جا سکتے تھے (پس) انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان (حفاظ حدیث) کے کام بھی محفوظ نہ تھے۔ (کمافی تفہیمات للمودودی ص ۳۱۸) لیکن یہ بے اطمینانی دراصل تحفظ دین کے بنیادی فلسفہ اور طریقہ کار سے لاعلمی کا نتیجہ ہے جس طرح اجماع امت میں ہر فرد محفوظ نہیں ہوتا لیکن بحیثیت مجموعی مجتہدین کو عصمت کا مقام حاصل ہوتا ہے، ٹھیک یہی صورت حفاظ قرآن کی بھی ہے۔ کسی نے ان کو غیر انسان یا اللہ کی مقرر کردہ فطری حدود سے ماوراء نہیں سمجھا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی ان کی انسانی کاوشوں کو بحیثیت مجموعی غیر محفوظ نہیں سمجھتا، پھر کیا وجہ ہے کہ احادیث نبوی کو روایت کرنے والے وہی صحابہ، رواۃ اور حفاظ جنہوں نے قرآن کو بھی حفظ ونقل کیا ہے، حفظ وروایت قرآن میں تو معتبر پائے جائیں لیکن روایت حدیث میں انہیں مشتبہ سمجھا جائے۔ اگر وہ لوگ نقل وروایت اور ضبط وحفاظت کے معاملہ میں تحریف وتساہل کے خوگر تھے تو جس طرح ان غیر محتاط رواۃ کی روایت کردہ احادیث ناقابل اعتماد ہیں اسی طرح ان کی روایت ونقل سے آئی ہوئی آیات اللہ (قرآن) کا بھی اعتبار باقی نہیں رہنا چاہیے، لیکن ایسا کوئی بھی شخص نہیں کہتا۔

صدیوں سال قبل ان جیسے شکوک وشبہات کا علامہ شریک بن عبداللہ النخعی القاضی (م ۱۷۷ھ) نے کیا خوب جواب دیا تھا جب کہ بعض لوگوں نے آں رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ ''ایک گروہ صفات کے متعلق احادیث پر شبہ کا اظہار بلکہ ان کا انکار کرتا ہے۔ یہ سن کر شریک بن عبداللہ النخعیؒ نے پوچھا کہ ''وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ ''وہ ان احادیث میں طعن کرتے ہیں۔'' آں رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''جن لوگوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، انہیں لوگوں نے قرآن کو بھی نقل کیا ہے، اور یہ بات کہ نماز پانچ وقت کی ہے، اسی طرح حج بیت اللہ اور رمضان کے روزوں کی تفصیلات وغیرہ سبھی چیزیں انہی لوگوں سے منقول ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو انہیں احادیث کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں (لہٰذا شبہ وانکار کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے؟)

اب ہم ذیل میں قرآن کریم، سنت نبوی اور علماء سلف کے اقوال کی روشنی میں سنت نبوی کے محفوظ ہونے کے چند دلائل پیش کریں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل:۴۴)''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو (اس کے احکام) کھول کر بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

اس آیت میں لفظ ''ذکر'' کی تعیین کے متعلق اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی ہر وحی (قرآن وسنت) ہے۔ اگر ''ذکر'' کے معنی صرف قرآن سمجھے جائیں تو دوسری آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹) کی رو سے سنت تو غیر محفوظ قرار پائے گی۔ اگر سنت غیر محفوظ ہوئی تو اس میں اکاذیب، اباطیل اور افتراءات کا دخل ممکن ہوا جو شریعت کے فساد وابطال کے لئے کافی ہے، حالانکہ دین کے غیر محفوظ ہونے کا سوئے ظن کسی کو نہیں ہے۔ پس ''ذکر'' کا اطلاق قرآن وسنت دونوں پر یکساں طور پر کرنا محقق ہوا۔ سلف صالحین بھی لفظ ''ذکر'' سے قرآن وسنت دونوں ہی مراد لیتے رہے ہیں، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا: **هذه الأحاديث الموضوعة** یعنی ان موضوع احادیث کا کیا ہوگا؟ تو آںؒ نے جواب دیا:

تعيش لها الجهابذه "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ'' ''اس کے لئے نقاد موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

علامہ حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن حزم اندلسیؒ وغیر ہمانے بھی ''ذکر'' کے معنی میں قرآن کے ساتھ سنت کو بھی داخل سمجھا ہے جیسا کہ آگے پیش کی جانے والی بعض عبارتوں سے واضح ہوگا۔ اگر اب بھی کوئی لفظ ''ذکر'' کو صرف قرآن کے لئے ہی خاص سمجھنے پر اصرار کرے تو سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۴ سے زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب ہی نکھر کر آئے گا کہ آں ﷺ کو عام انسانوں کے لئے

قرآن مجید کی تبیین پر مامور کیا گیا ہے۔اب تحفظ حدیث کے منکرین کے اعتراض کو اس آیت کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔اگر نبی ﷺ کے ذریعہ فرمائی گئی قرآن کریم کے مجمل احکام کی تبیین کو (نعوذ باللہ) ناقص، غیر محفوظ اور غیر یقینی سمجھا جائے یا یہ اشتباہ کہ آج اس کا اصل مضمون محفوظ نہیں رہا ہے تو اس سے منطقی طور پر قرآنی نصوص سے انتفاع کا بطلان لازم آئے گا۔پس اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ پر ہی مکمل کردی گئی وہ یقیناً آج بھی مسلمانوں کے لئے مکمل، محفوظ اور باقی ہے، کسی بھی دور میں اس میں کوئی نقص یا نسخ واقع نہیں ہوا۔یہ بات بذات خود اس کی حفاظت کے غیر معمولی ہونے کی بے نظیر دلیل ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی تحفظ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی جانب سے ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ فتنہ وضع حدیث کے رونما ہونے کے باعث ذخیرہ احادیث کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات انتہائی ناقابل یقین ہے کہ اللہ کے دین اور دشمن دین چیزوں، کذب، افتراء، اختراعات اور موضوعات وغیرہ کی جنگ میں اللہ کے دین کو شکست ہوجائے اور دشمن دین چیزیں اس پر غالب آجائیں یا پھر احکام شریعت میں باطل چیزوں کی اس قدر آمیزش ہوجائے کہ عالم اسلام میں سے کسی مسلمان کے لئے بھی حق و باطل میں تمیز کرنا محال ہوکر رہ جائے۔اگر کوئی شخص ایسا کہتا یا سمجھتا ہے تو اس کے قول کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے دین میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوچکا ہے اور احکام الٰہی میں ایسی باطل اشیاء کی آمیزش ہوگئی ہے کہ جن کو ماننے کا اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو قطعاً حکم نہیں دیا تھا۔اگر قائل کی یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کی حفاظت کرنے سے قاصر رہا یا پھر اپنے ہی دین کی تخریب سے یک گونہ رضامند ہوا۔لیکن چونکہ یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں ہیں لہٰذا قائل کا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آج بھی سرمایہ حدیث کا بیشتر حصہ جوں کا توں محفوظ ہے۔اگر فتنہ انگیز عوامل کی ناعاقبت اندیش ریشہ دوانیوں کے باعث اس کا کچھ حصہ ضائع ہوا بھی ہے تو امت کو یقیناً اس کی ضرورت نہ تھی، ورنہ اللہ عزوجل نے جس طرح حدیث نبوی کے اس بڑے ذخیرہ کی حفاظت فرمائی ہے اسی طرح اس مختصر سے حصہ کے تحفظ کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا فرما دیتا۔اس بارہ میں حافظ ابن الصلاحؒ نے ایک نفیس بحث کے دوران کیا ہی عمدہ بات لکھی ہے:

''جب احادیث نبویہ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ عزوجل نے لے رکھا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی حدیث جمع و تدوین اور حفاظت بشری سے باہر رہ گئی ہو۔لہٰذا بقول امام بیہقیؒ اگر اب کوئی شخص ایسی حدیث لاکر بیان کرے جس کا وجود محدثین متقدمین ومتاخرین کی جوامع ومسندات ومصنفات میں سے کسی میں بھی نہ ہو تو وہ حدیث ناقابل قبول قرار دی جائے گی (کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ حدیث نبوی ہو اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اسے محفوظ نہ کیا ہو، جبکہ صاحب شریعت نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح، ص:۱۳۳)

امام سفیان الثوریؒ کا مشہور قول ہے کہ ''**ماستر اللہ عزوجل أحدا یکذب فی الحدیث**'' یعنی ''اگر کوئی شخص (گھر کی چہار دیواری کے اندر بھی) حدیث کے بارہ میں جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرمادے گا۔'' (الموضوعات لابن الجوزی ۱/ ۲۸، الضعفاء والمجروحین ۱/۳۲)

سفیان ثوریؒ کا ایک اور قول ہے کہ **الملائکۃ حراس السماء و أصحاب الحدیث حراس الأرض** یعنی ''فرشتے آسمان کے نگہبان ہیں اور محدثین زمین کے'' (تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/ ۱۶، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ۲/۴۷۴) اور امام عبداللہ بن مبارک کا قول ہے: **لو هم رجل فی السحر أن یکذب فی الحدیث لأصبح الناس یقولون فلان کذاب** (الموضوعات لابن الجوزی ۱/ ۴۹) اور یزید بن زریعؒ کا قول ہے کہ ''**لکل دین فرسان وفرسان هذا الدین أصحاب الأسانید** (تنزیہ الشریعہ لابن عراق ۱/ ۱۶، اللآلی المصنوعہ ۲/۴۷۴) اور امام دارقطنیؒ کا قول ہے: **یا أهل بغداد لا تظنوا أن أحدا یقدر یکذب علی رسول اللہ ﷺ وأنا حی** یعنی ''اے بغداد والو! یہ نہ سمجھ لو کہ تم میں سے کوئی نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔'' اسی طرح منقول ہے کہ **ان للأثر جهابذة کجهابذة الورق** (المدخل الی دلائل النبوۃ ۱/۴۳) یعنی ''جس طرح چاندی کو پرکھنے والے ہوتے ہیں اسی طرح حدیث کے نقاد بھی موجود ہیں۔'' اس طرح کے اور بھی بہت سے اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے احادیث کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے محدثین کرام سے کس قدر گراں قدر خدمات لی ہیں۔

حدیث نبوی کے محفوظ ہونے پر امام ابن حزم اندلسیؒ نے نہایت قابل قدر بحث درج فرمائی ہے، چنانچہ ایک مقام پر خبر واحد کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''خبر واحد میں شبہات اصلا سند کی وجہ سے ہی ہیں لیکن جب ان احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست صحابہ کرام نے سنا تھا تو اس وقت نہ کوئی سند تھی اور نہ شک وشبہ، گویا دین محفوظ تھا تو کیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وعدہ کی مدت یہیں پر ختم ہوگئی؟ مستقبل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ فرمایا کہ کذاب، وضاعین اور مفتری بہ آسانی دین حق پر غالب آگئے؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو بلاشبہ دین تاقیام قیامت محفوظ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ یقیناً کسی عادل راوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی ہر متصل خبر واحد قطعی، موجب عمل اور موجب

علم ہے۔" (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ۱/۱۲۴)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"دین مکمل ہے جیسا کہ آیت الیوم أکملت لکم دینکم سے ظاہر ہوتا ہے۔اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ سے واضح ہوتا ہے۔پس اگر متاخرین فقہاء کے خیال کے مطابق مکمل دین پر ظنون واوھام غالب ہو جائیں اور حق وباطل اس طرح خلط ملط ہو جائے کہ ان کے مابین تمیز محال ہو تو حفاظت دین کا وعدہ کس طرح پورا ہوا؟ واضح رہے کہ آیت محولہ میں لفظ "الذکر" قرآن وسنت دونوں پر حاوی ہے۔ پس اگر متاخرین کے خیال کو درست مان لیا جائے تو یہ دین سے انسلاخ، شریعت میں تشکیک اور دین کے انہدام کے مترادف ہوگا۔" (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم: ۱/۱۲۳)

اور

"قرآن اور خبر صحیح میں بعض بعض کی طرف مضاف ہیں اور وہ دونوں اللہ عزوجل کی جانب سے منزل ہونے کے سبب دراصل ایک ہی چیز ہیں۔ وجوب اطاعت کے باب میں ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے، جیسا کہ ہم اس باب میں اوپر بیان کر چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ اور قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡيِ (الأنبیاء:۴۵) ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ کا کلام تمام کا تمام وحی ہے اور وحی بلاخلاف ذکر ہے اور ذکر نص قرآن کے مطابق محفوظ ہے۔" (الاحکام لابن حزم ۱/ ۸۸)

آگے چل کر آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کے متعلق خود اللہ عزوجل فرماتا ہے: وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی (النجم:۳،۴) ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ کا کلام تمام کا تمام وحی ہے اور بلاشک وشبہ وحی اللہ کی جانب سے بھیجی جاتی ہے۔اس بارے میں بھی اہل لغت اور اہل شریعت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی "ذکر" ہے اور ہر وحی یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے حفظ میں ہونے کے باعث محفوظ ہے۔

اور جن چیزوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے ان کے متعلق یہ ضمانت موجود ہے کہ ان میں سے نہ کوئی چیز ضائع ہو سکتی ہے اور نہ ان میں کبھی کوئی ایسی تحریف ممکن ہے جس کا بطلان غیر واضح ہو۔ایسے خدشات تو کسی عقل سے کورے شخص کے ذہن ہی میں جگہ پا سکتے ہیں۔پس واجب ہے کہ جو دین محمد ﷺ ہمارے پاس لائے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وتولیت کے باعث محفوظ اور ہر طالب کے لئے دنیا کے باقی رہنے تک اسی طرح مبلغ ہو۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ (الانعام:۱۹)

پس اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو لازماً ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا اس میں سے کسی شئی کے ضیاع کا کوئی راستہ نہیں ہے۔اور نہ ہی اس بات کا کوئی راستہ ہے کہ کوئی باطل اور موضوع چیز اس میں داخل ہو جائے اور اس قدر خلط ملط ہو جائے کہ کوئی شخص یقینی طور پر اس کی تمیز نہ کر سکتا ہو۔اگر اس امکان کو جائز قرار دے دیا جائے تو ذکر غیر محفوظ ہو جائے گا حالانکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ کوئی بھی مسلم ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ اس سے آیت کی تکذیب اور اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی کا اظہار ہوتا ہے۔(فنعوذ باللہ)

اگر یہاں کوئی یہ کہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف قرآن کی حفاظت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تمام وحی جو قرآن نہیں ہے اس کی ضمانت اللہ کے ذمہ نہیں ہے۔تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ دعوی دلیل وبرہان کے بغیر محض ایک جھوٹا دعوی ہے۔"الذکر" کی یہ تخصیص بلا دلیل ہونے کے باعث باطل ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اپنے دعوی پر کوئی دلیل نہ ہو وہ اپنے دعوی میں صادق نہیں ہے۔لہٰذا اسم "الذکر" عام ہے اور ہر اس چیز پر واقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر بذریعہ وحی نازل فرمائی، وہ قرآن ہو یا قرآن کی شرح سنت۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کی توضیح وبیان کے لئے مامور تھے کیونکہ قرآن میں بہت سی چیزیں مجمل ہیں مثلاً صلاۃ، زکوۃ اور حج وغیرہ۔ان چیزوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے، ہم کچھ نہیں جان سکتے الا یہ کہ ان الفاظ کی اس توضیح وتفسیر وبیان غیر محفوظ ہو یا اس کی سلامتی کی کوئی ضمانت موجود نہ ہو تو نصوص قرآن سے انتفاع باطل ہوا جس سے ہمارے اوپر فرض کی گئی شریعت کا بیشتر حصہ باطل ہو جاتا ہے۔"
(الاحکام لابن حزم ۱/ ۱۰۹-۱۱۰)

اگرچہ امام ابن حزم اندلسیؒ کے اس مدلل، مفصل اور واضح کلام کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن پھر بھی قارئین کرام کی دلچسپی کے پیش نظر بعض دوسرے مشاہیر کے اقوال بھی پیش خدمت ہیں:

حافظ ابن قیمؒ آیت اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فعلم أن کلام رسول الله ﷺ في الدين كله وحي من عندالله

فھو ذکر أنزله الله (الصواعق المرسلۃ ۲/ ۳۷۱)

''یعنی پس معلوم ہوا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کا دینی معاملات میں ہر ارشاد نرا وحی الٰہی ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی ہے تو اس ''ذکر'' کے حکم میں داخل ہے (جس کی حفاظت کا وعدہ وذمہ اللہ عزوجل نے لے رکھا ہے۔'')

شیخ عبدالجبار عمرپوریؒ فرماتے ہیں: جس طرح پروردگار قرآن کا حافظ ونگہبان ہے، اسی طرح حدیث کا بھی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: ۹) یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے نگہبان ہیں جبکہ قرآن وحدیث دونوں کی ضرورت ہے تو یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ خدا صرف قرآن کی حفاظت کرے اور حدیث کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دے۔ اس نے حفاظت کے لئے اماماں محدثین کو پیدا کیا جنہوں نے ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز سفر طے کئے اور راویوں کی جانچ پڑتال میں بہت کوششیں فرمائیں، لفظ لفظ کی تحقیق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بڑی بڑی کتابیں اس بارے میں تالیف فرمائیں، صحیح کو ضعیف سے اور ناسخ کو منسوخ سے الگ کر دکھایا۔ غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کوئی عذر وحیلہ باقی نہ چھوڑا، الخ (عظمت حدیث ص ۴۳)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: جب قرآن فہمی کے لئے تعلیم رسول ضروری ہے اس کے بغیر قرآن پر صحیح عمل ناممکن ہے تو جس طرح قرآن قیامت تک محفوظ ہے اس کا ایک ایک زیر وزبر محفوظ ہے، ضروری ہے کہ تعلیمات رسول بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں، ورنہ محض الفاظ قرآن کے محفوظ رہنے سے نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعلیمات رسول ﷺ وہی ہیں جن کو سنت یا حدیث رسول کہا جاتا ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ جل شانہ کی طرف سے اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہے جس درجہ کی حفاظت قرآن کے لئے موعود ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے، ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیر وزبر تک بالکل محفوظ چلے آئے ہیں اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے، سنت رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ چلے آئے ہیں اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے، سنت رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپ ﷺ کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیت مذکورہ کی رو سے لازمی ہے، اور بحمداللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں، جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا غلط روایات کی آمیزش کی گئی ماہرین سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت اہل حق اور اہل علم قائم رہے گی، جو قرآن وحدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور ان میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔'' (معارف القرآن ۱/ ۲۸۱)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم ومحفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیت معنی کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ اس کا یہ دعوی اس نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول ﷺ کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے، نعوذ باللہ (معارف القرآن: ۵/ ۳۳۷)

آں رحمہ اللہ ''معارف القرآن'' میں ایک اور مقام پر ''قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم (نفس مصدر ۷/ ۱۴۱-۱۴۲ ملخصا)

جناب حبیب الرحمٰن اعظمیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کی تشریحات وبیان قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے۔'' (مقدمہ معارف الحدیث از حبیب الرحمٰن اعظمی ۱/ ۱۷)

اور محترم مودودی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو انہیں نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہد رسالت اور عہد صحابہ کے آثار واخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور ان کی حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی دور کے حالات کے لئے نہیں کیں۔ انہوں نے احادیث کی تنقید وتنقیح کے لئے جو طریقے اختیار کئے وہ ایسے ہیں کہ کسی دور گزشتہ کے حالات کی تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقل انسانی نے آج تک دریافت نہیں کئے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب اس گروہ نے استعمال کئے اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ درحقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق شامل حال رہی ہے اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اسی نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔'' (تفہیمات ۱/ ۳۵۴-۳۵۵۔ اسلامک پبلیکیشنز مئی ۱۹۸۸ء)

☆☆☆

دعا جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

مقاصد حیات انسانی میں سے سب سے اہم مقصد اور اعلیٰ ہدف بلکہ سب کچھ اللہ جل شانہ کی خالص عبادت ہے اور ان عبادات محضہ میں بھی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت قرآن کریم، وظائف وادعیہ اور مناجات رب کریم اہم ترین عبادات میں سے ہیں، لیکن وہ عبادت جسے عبادات کا مغز، گودا اور اصل قرار دیا گیا ہے وہ دعا ہے۔ حدیث شریف ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''الدُّعاء هو العبادةُ'' دعا ہی عبادت ہے۔ بعض حدیثوں میں ''الدعاء مُخُّ العبادة'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو کلام سے خالی نہیں ہے، مگر مذکورہ حدیث جس میں ''هو العبادةُ'' کا ذکر ہے صحیح ہے، اس سے دعا کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ دعا کی فضیلت واہمیت کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے بندے کو اس بندے کے مقابلے میں اور زیادہ محبوب رکھتا ہے جو دعا مانگنے، اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے محروم ہے۔ اے محروم انسان! تو مان نہ مان، سن لے یہ فرمان عالی شان ''يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ'' (الرحمٰن/ ۲۹) (ساری مخلوقات اسی سے مانگ کر زندہ اور موجود ہے اور اسی کی مرہون منت ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

لا تسألن بُنيَّ آدم حاجةً
و سل الذی ابوابه لا تُحجبُ
اللہ يغضبُ إن تركت سوالہ
و بُنَيَّ آدم حين يُسألُ يغضبُ

ترجمہ: بنو آدم سے اپنی ضرورتوں کے بارے میں سوال نہ کرو بلکہ اس ذات سے مانگو جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا ہے۔

اگر اللہ سے مانگنا چھوڑ دو گے تو وہ ناراض ہو جائے گا جبکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب ہم اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔

ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام نے اللہ کے حضور دعا کی تھی اور سخت ترین حالات میں نعمتوں کے چھن جانے اور رب کے ناراض ہو جانے کے بعد ان کو اپنی بھول کا احساس ہو گیا اور فوراً وہ دعا، توبہ واستغفار، تضرع وابتہال اور آہ وزاری کرنے لگے: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ'' (الاعراف:۲۳) ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہم کو معاف نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

نوح علیہ السلام نے بھی قوم کے ظلم و جفا، جود وانکار، کفر وطغیان اور اپنی بے بسی اور قوم کی ہٹ دھرمی کے مقابلہ میں جس فوج موج ظفر کا سہارا لیا وہ دعا ہی تھا جس نے ساری دنیا کو نیست و نابود کر دیا ''فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ'' (القمر:۱۰)، ترجمہ: پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔

ادنیٰ بیٹے کے لیے سفارش پر تنبیہ کی گئی تو اسی دعا واستغفار کا سہارا لیا اور ان کو مدد اور راحت ملی۔ فرمایا: ''قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ'' (سورہ ھود:۴۷) ترجمہ: نوح نے کہا میرے پالنہار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو۔

یونس علیہ السلام اپنی قوم کے لوگوں سے ناراض ہو کر نینویٰ بستی سے نکل پڑتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اجازت لینا بھول جاتے ہیں۔ جب سمندر عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو کشتی بیچ دھار میں ہچکولے کھانے لگتی ہے اور کشتی کا ناخدا مجبور ہو کر انہیں دریا میں پھینک دیتا ہے اور انہیں مچھلی نگل لیتی ہے تو اس مشکل گھڑی میں یونس علیہ السلام اللہ کے حضور اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ'' (سورۃ الانبیاء:۸۷) (ترجمہ: الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔) تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سنتا ہے اور انہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کا سب سے چہیتا بیٹا بھائیوں کی سازش کا شکار ہو کر ان سے بچھڑ جاتا ہے۔ شفقت پدری انہیں بے چین کر دیتی ہے، غم سے نڈھال ہیں، بیٹے کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا برا حال کر چکے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہے اور آنکھیں روتے روتے پتھرا گئی ہیں اور اس سنگین وقت میں بھی وہ اللہ رب العزت کو ہی حاجت روا سمجھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے منت وسماجت کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں: ''قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ'' (سورۃ یوسف:۸۶) ترجمہ: انہوں نے کہا میں اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔

ایوب علیہ السلام کے بارے میں ہمیں پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری کے ذریعہ آزمایا، ایسی بیماری کہ جسم میں کیڑے لگ چکے ہیں اور وہ کیڑے پورے گودے کا صفایا کر چکے ہیں، اہل خانہ تک آپ سے گھن محسوس کرتے ہیں اور بیوی کے علاوہ سب نے ساتھ تک چھوڑ دیا ہے۔ پھر بھی ایوب علیہ السلام سراپا صبر بنے ہوئے ہیں، آپ جزع وفزع نہ کر کے اللہ جل شانہ کے سامنے اپنی پریشانی کو رکھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے چہیتے نبی ایوب علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اس مصیبت سے نجات دیتے ہیں: ''اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنتَ اَرحَمُ الرَّاحِمِینَ'' (الانبیاء:۸۳) ترجمہ: مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ ایک برگزیدہ رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقام خِلت سے سرفراز فرمایا تھا اور آپ کو بہت ساری خصوصیتوں، عظمتوں اور فضیلتوں سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں جو مٹھاس ملتی ہے وہ کسی دوسرے نبی، رسول اور ولی کے تذکرے میں نہیں ملتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے وقت رب تعالیٰ سے مناجات کی۔ تربیت اولاد کا معاملہ ہو یا ہاجرہ واسماعیل علیہما السلام کو بے آب وگیاہ سرزمین میں چھوڑنے کا موقع ہمیشہ آپ نے اپنے رب سے دعا کی۔ آپ نے مکہ مکرمہ کو بابرکت بنانے کے لیے رب سے التجا، پھر بت پرستی سے بچے رہنے وغیرہ کے لیے دعائیں کیں اور یہ سبھی دعائیں ہمارے لیے انمول ہیں اور ہمیں بتاتی ہیں کہ ہم ہر معاملہ خوشی اور غمی میں اور جب بھی ہم مصائب سے دوچار ہوں، پریشانیوں میں گھر جائیں یا ہمیں کوئی ضرورت درپیش ہو تو ہم رب تعالیٰ کے سامنے جائیں، ہاتھ پھیلائیں، روئیں، گڑگڑائیں، ندامت کے آنسو بہائیں اور صدق دل سے اپنی ضرورت رب کے سامنے پیش کریں، ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی بشرطیکہ ہم دعا کے آداب و ضوابط ملحوظ رکھیں۔

اولوالعزم من الرسل موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو دیکھیں کہ جب کہیں بھی آپ آزمائش سے دوچار ہوئے اور مشکلات کا سامنا ہوا تو فوراً رب کریم کے سامنے دست بدعا ہوئے۔ جب ایک قبطی کو ایک مکا رسید کیا اور اس کی وجہ سے اس کی جان چلی گئی تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور فرعون اور اس کے سپاہی موسیٰ علیہ السلام کے درپۓ آزار ہوگئے تو اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ذریعہ مدد چاہی: ''رَبِّ نَجِّنِی مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِینَ'' (سورۃ القصص:۲۱) ترجمہ: اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچالے۔

اسی طرح جب اجنبی دیار میں پہنچے اور چشمہ مدین پر دوشیزاو?ں کے جانور کو پانی پلا کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے اور اس موقع پر بھی ''رَبِّ إِنِّی لِمَا اَنزَلْتَ إِلَیَّ مِنْ خَیرٍ فَقِیرٌ'' (القصص:۲۴) (ترجمہ: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔) کہہ کر اپنے رب کے حضور اپنی بے مائیگی، بے بضاعتی اور قلتِ سامانی کا حوالہ دیا اور اپنی محتاجی کا برملا اعتراف کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے دربار میں جانے کی بات کہی تو اس موقع پر ''رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی، وَیَسِّرْ لِی اَمْرِی، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِی، یَفْقَهُوا قَوْلِی'' (سورہ طٰہ:۲۵-۲۸) (ترجمہ: اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے۔ اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے، تاکہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔) جیسی پیاری دعا کر کے اپنی لکنتِ زبان کا شکوہ کیا اور اس مہم میں یاری و مددگاری کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی: ''وَاجْعَل لِّی وَزِیرًا مِّنْ اَهْلِی، هَارُونَ اَخِی''

عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کو دیکھیں اور اس کا مطالعہ کریں تو یقین ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی بخشش ومغفرت کے لیے دعا کا ہی سہارا لیا اور رب تعالیٰ کو ان معنیٰ خیز کلمات کے ذریعہ خطاب کیا: ''إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ انتَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ'' (المائدہ:۱۱۸) ترجمہ: اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔

ہمارے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی دعا ومناجات کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپ کا اول وآخر سہارا اور ذریعہ عبادت دعا ہی تھی۔ اسلام کے ابتدائی ادوار میں جب قریش مکہ کے مظالم کی انتہاء ہونے لگی ''متی نصر اللہ'' کی بات کہی جانے لگی اور ایذا رسانیوں کا سلسلہ دراز اور شدید ہونے لگا تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کیں جو مقبول ہوئیں، اور جب معین ومددگاروں اور تائید کاروں کی ضرورت پڑی تو ''اللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ إِلَیْکَ بِاَبِی جَهْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَکَانَ اَحَبُّهُمَا إِلَى اللهِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ'' (سنن ترمذی:۳۶۸۱، شیخ البانی نیا سے صحیح ترمذی میں صحیح قرار دیا ہے) کے الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی اور اس دعا کے صلے میں عمر بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن رہ چکنے کے بعد حامی وناصر اسلام و مسلمین ہوئے اور حق کے اظہار اور غلبہ کا ذریعہ بنے۔

اللہ جل شانہ نے پیارے رسول ﷺ کو جس مقصد عظیم اور رسالت خالدہ کی تبلیغ ودعوت اور انسانیت کے فوز وفلاح کے لیے بھیجا تھا۔ اس کام کو بدرجہ اتم واحق اور پوری قوت وجاں فشانی اور قربانی کے ساتھ پیش کرنے کے باوجود جب اہل طائف نے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس نصح وخیر خواہی اور اخلاص وقربانی کا جواب انتہائی ظلم و زیادتی اور بدبختی سے دیا اور آپ کے اخلاص اور محنت ومحبت کا صلہ آپ کے خلاف اوباشوں کو ورغلانے، کتوں کو بھونکنے اور پتھروں کی بارش کرنے سے دیا، جسم زخموں اور خون سے بھر گئے، آپ نڈھال ہو کر گر گئے، ایسی حالت میں آپ کو بس ایک ٹیس اور درد تھا جس نے بے چین کر رکھا تھا، وہ تھا قوم کی تباہی اور اس کی بربادی کہ وہ نبی پر ظلم

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

پختہ قبروں سے متعلق اسلام کا موقف

مولانا اسعد اعظمی/ بنارس

اللہ رب العزت نے اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اس روئے زمین پر اپنا آخری پیغمبر اور رہنما بنا کر بھیجا۔ آپ نے پوری امانت داری کے ساتھ اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا، ہر خیر کی طرف رہنمائی کی اور ہر شر سے ڈرایا۔ ’’مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ‘‘ کا اعلان کر کے اللہ جل جلالہ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات میں قبروں سے متعلق مکمل رہنمائی موجود ہے۔ قبروں پر مساجد کی تعمیر، قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر تعمیر کرنا، قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، قبروں پر ٹیک لگانا، قبروں پر بیٹھنا، قبروں پر میلے لگانا، قبروں کے پھیرے لگانا..ان تمام اعمال کا حکم نبی آخر الزماں ﷺ نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور امت کو سختی کے ساتھ ایسے اعمال سے منع کیا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور اپنے مرض الموت میں خاص طور سے آپ نے امت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔

دین خالص کو ماننے والوں اور اللہ کے رسول ﷺ سے سچی محبت رکھنے والوں کے لیے آپ کی ایک ایک حدیث اور آپ کا ایک ایک قول حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ اسے بلا چوں وچرا تسلیم کرتے ہیں، اس پر عمل کرتے اور اس کا دفاع کرتے ہیں، اس تعلق سے ان کے یہاں کوئی لیت ولعل، کوئی تاویل وتوجیہ اور کسی طرح کا اگر مگر نہیں پایا جاتا۔ وہ آپ کے ہر فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، اور ادنی سی خلاف ورزی کو بھی موجب گمراہی تصور کرتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ ذو الجلال کی جانب سے یہی ہدایت کی گئی ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ – سورہ نور(51)﴾ ایمان والوں کی بات، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے سوا نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا – سورہ احزاب (36)﴾ اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے معاملے میں اختیار ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا واضح گمراہ ہونا۔

قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر کسی طرح کی تعمیر کرنا، قبے اور گنبد کھڑے کرنا، یہ وہ اعمال ہیں جن سے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بصراحت منع فرمادیا ہے، ایسی صراحت اور ایسی ممانعت جس کے بعد کسی بھی طرح کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور نا ہی جس کے ہوتے ہوئے کسی امام، کسی عالم اور کسی امتی کا قول وعمل کوئی معنی رکھتا ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث صحیحہ وصریحہ ملاحظہ ہوں؛

عن جابر رضي الله عنه قال: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔(صحيح مسلم: ٩٧٠، سنن ابي داود: ٣٢٢٥، سنن ترمذي: ١٠٥٢، سنن نسائي: ٢٠٢٨) یعنی جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر بنا کھڑی کرنے کو منع فرمایا ہے (خواہ وہ قبہ ہو خواہ گنبد خواہ مقبرہ وغیرہ) اور آپ نے قبر پر بیٹھنے کو بھی منع فرمایا ہے۔

یہ حدیث اپنے الفاظ ومعانی ہر اعتبار سے بالکل واضح ہے اور کسی بھی طرح کی تاویل وتوجیہ کی گنجائش نہیں رکھتی ہے۔ وللہ الحمد

دوسری جانب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اونچی اور پکی قبروں کو ڈھانے کے لیے صحابہ کرام کو بھیجا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل حدیث:

عَن اَبِي هَيَّاج الاسَدي قال: قال لي علي رضي الله عنه: اَلَااَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْراً مُشْرِفاً اِلَّا سَوَّيْتَهٗ"۔(صحيح مسلم: ٩٦٩، سنن ابي داود: ٣٢١٨، سنن ترمذي: ١٠٤٩، سنن نسائي: ٢٠٣١، مسند احمد: ٧٤١)

یعنی حضرت ابو الہیاج اسدی سے حضرت علی کرم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں اس کام پر مقرر کر کے بھیجتا ہوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کر کے بھیجا تھا۔ جہاں کوئی جان دار چیز کی تصویر یا مجسمہ دیکھو اسے مٹا دینا اور جہاں کوئی اونچی قبر دیکھو اسے برابر کر دینا۔

اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے والے اور ان سے محبت کا دم بھرنے والے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی انتخاب فرمایا تھا، پھر اپنے وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو تازہ کرتے ہوئے اپنے ماتحتوں کو اس مہم پر روانہ کرتے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کا دعوی کرنے والے گھڑیالی آنسو بہاتے

ہیں کہ دیکھو فلاں کی قبر برابر کر دی گئی اور فلاں کی قبر سے گنبد ڈھا دیا گیا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اپنے کو منسوب کرنے والے بھی اوپر مذکور احادیث صحیحہ صریحہ کی عملی مخالفت کرتے ہیں اور پکی قبریں بناتے ہیں۔ یہی نہیں اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے قبروں اور مزاروں پر بنی ہوئی عمارتوں اور گنبدوں کو ہٹایا جاتا ہے تو اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ حالاں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی وہی ثابت ہے جو حدیثوں میں مذکور ہے۔

حنفی مذہب کی فقہ کی معتبر کتاب فتاوی قاضی خاں بر حاشیہ عالمگیری مطبوعہ میمنیہ مصر، جلد اول، ص:۱۷۸ میں ہے۔

روی عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی أنه قال: لَا يُجَصَّصُ الْقَبْرُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَسَفَطٌ۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور مٹی سے لیپا نہ جائے اور قبر پر کوئی بنا کھڑی نہ کی جائے نہ خیمہ۔

شامی مطبوعہ دار الکتب مصر، جلد اول، ص:۶۶۲ میں ہے:

عن ابی حنیفة : يُكْرَهُ اَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِنَاءٌ مِنْ بَيْتٍ اَوْ قُبَّةٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ۔ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر کسی قسم کی بھی عمارت بنانی مکروہ ہے خواہ کوئی گھر یعنی مقبرہ وغیرہ بنایا جائے، خواہ قبہ اور گنبد کھڑا کیا جائے، یا اس جیسی کوئی اور عمارت ہو سب مکروہ ہیں۔

حنفی مذہب کی فقہ کی معتبر کتابوں سے قبروں کو اونچی اور پختہ بنانے اور ان پر قبہ وغیرہ بنانے کی حرمت

ہدایہ مجتبائی جلد اول، ص:۱۶۲، فصل فی الدفن میں لکھتے ہیں: یکرہ الآجر والخشب، لأنهما لاحكام البناء، والقبر موضع البلی، ثم بآجر اثر النار، فیکرہ تفاؤلا۔ یعنی پختہ اینٹوں اور لکڑیوں کا استعمال قبر پر ناجائز ہے، اس وجہ سے بھی کہ ان چیزوں سے مضبوطی اور پختگی ہوتی ہے، اور قبر تو غیر آباد چیز ہے، اور اس سبب سے بھی کہ پختہ اینٹ میں آگ کا اثر ہے، اور یہ بدفالی ہے۔

ص:۱۶۳ ہدایہ جلد اول، مطبوعہ مجتبائی میں لکھتے ہیں:

ولا یسطح أی لا یربع۔ یعنی قبر کو چوگوشہ بھی نہ بنایا جائے۔

شرح وقایہ مطبوعہ یوسفی، جلد اول، ص:۲۰۱ میں ہے:

یکرہ الآجر والخشب، ویهال التراب، ویسنم القبر، ولا یسطح۔ یعنی قبر پر پکی اینٹ اور لکڑی لگانا مکروہ ہے، صرف مٹی ڈال دی جائے اور کوہان نما بنادی جائے۔ چوگوشہ نہ بنائی جائے۔

عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ولا یزاد علیه۔ یعنی قبر میں سے جو مٹی نکلی ہے صرف اتنی ہی مٹی ڈال دی جائے، اس کے سوا اور نہ ڈالی جائے۔

ملا علی قاری حنفی اپنی مشہور کتاب مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں: یجب الهدم وان کان مسجدا (کتاب الجنائز، باب دفن المیت) یعنی قبر پر جو بھی عمارت بنائی گئی ہو اس کا توڑنا واجب ہے بھلے وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔

شاہ عبدالقادر جیلانی ؒ کا فیصلہ: قارئین کرام! کتاب وسنت کی واضح ہدایات، صحابہ کرام کے عملی اقدامات اور ان سب کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کی تصریحات کے بعد اب کسی لیت ولعل کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ آخر میں ایک مسلّم بزرگ پیر صاحب حضرت شاہ جیلان رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپ اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین، مطبوعہ اسلامیہ لاہور کے ص:۸۲۷ کی سطر ۵ میں لکھتے ہیں: "ویرفع القبر من الأرض قدر شبر۔" یعنی قبر کو زمین سے ایک بالشت کی مقدار بلند کیا جائے (زیادہ بلند کرنا جائز نہیں)

ص ۱۵۲ میں لکھتے ہیں: "وإن جصص کره۔" یعنی قبر کو گچ کرنا پختہ بنانا مکروہ ہے۔ آگے لکھتے ہیں: "ویسن تسنیم القبر دون تسطیحه۔" یعنی قبر کی ایک بالشت کی اونچائی کو اونٹ کے کوہان نما رکھے، چوگوشہ بنانا منع ہے۔

لگ بھگ سو سال پہلے جب شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود نے مکہ مکرمہ کا اقتدار حاصل کرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے وہاں کی قبروں پر موجود قبوں اور گنبدوں کو گرایا اور ان قبروں پر قائم تعمیرات کو ختم کیا تو اپنے ملک کے بہت سے لوگوں نے محض آل سعود کی دشمنی میں اس عمل کو مذہب مخالف گردان کر بہت واویلا مچایا، اہل تشیع نے بھی موقع کو غنیمت جانا اور ان کے ساتھ احتجاج میں شامل ہوئے، بلکہ احتجاج اور مخالفت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور سو سال گذرنے کے بعد بھی وقتا فوقتا صدائے احتجاج بلند کرتے اور عوام کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں تو مذکورہ بالا نصوص و اقوال کی روشنی میں انہیں اپنے موقف کا جائزہ لینا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جو حکم آل سعود پر لگاتے ہیں کیا وہی حکم ان اماماں دین پر بھی لگائیں گے؟ کیوں کہ اس معاملے میں دونوں کا عقیدہ اور موقف ایک ہے۔

کتاب وسنت کی نصوص صریحہ اور اماماں دین کی تاکیدات کے بعد بھی اگر کوئی اپنے دل میں کوئی دوسرا عقیدہ رکھتا ہے وہ کس طرح اپنی نسبت کتاب وسنت یا ائمہ دین کی طرف کرسکتا ہے۔ بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی کی تابع داری کا وہ کیسے دعوی کرسکتا ہے۔ صرف جذبات کی رو میں بہنا اور مخالفت برائے مخالفت کا رویہ اپنانا کیسے درست گردانا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالی سب کو نیک سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

موجودہ حالات اور مسلمان

مولانا ابوحمدان اشرف فیضی

موجودہ حالات میں بحیثیت مسلمان ہمیں اس بات پر توجہ دینا ہے کہ ہمارا دین، ہماری شریعت ایسے موقعے پر ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے، کتاب وسنت میں اس کے کیا اسباب بیان کئے گئے ہیں، اس کا شرعی حل کیا ہے؟ زیر نظر مضمون میں موجودہ حالات کے تناظر میں کتاب وسنت کی روشنی میں کچھ باتیں ذکر کی جارہی ہیں۔

بنیادی سبب: سوال یہ ہے کہ ایسے نازک اور مشکل حالات کیوں پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ دشمنوں اور ظالموں کو غالب کیوں کرتا ہے، ظالم وسرکش حکمرانوں کو مسلط کیوں کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے مختلف وجوہات ہوسکتے ہیں، مگر بحیثیت مسلمان ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس کے بہت بڑے سبب ہم خود ہیں، یہ ہماری بداعمالیوں اور کوتاہیوں کی سزا ہے، یہ ہماری بہت بڑی کمزوری ہے کہ ہم ایسے موقعے پر اس کے ظاہری اسباب پر غور کرتے ہیں، دوسروں کو اس کا سبب بتا کر ہم خاموش ہوجاتے ہیں، ہم اپنے اعمال وکردار کا جائزہ نہیں لیتے، ہم اپنی غلطیوں اور کمزوریوں پر توجہ نہیں دیتے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر صاف لفظوں میں اس کا جواب دیا ہے، اللہ نے فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ:۳۰) تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔

اور فرمایا: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم:۴۱) خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھادے، (بہت) ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔ یاد رکھیں حالات اعمال سے بنتے اور بگڑتے ہیں، اعمال اچھے وصالح ہوں گے تو حالات بھی خوش گوار وپرامن ہوں گے اور اگر اعمال بگڑ جائیں تو حالات بھی بگڑ جائیں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں، سچ کہا مولانا ظفر علی خان نے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا: وهل في الدنيا والآخرة شر وداء الا سببه الذنوب والمعاصي (الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي: ۸۵) دنیا وآخرت میں جو بھی برائی اور پریشانی رونما ہوتی ہے اس کا اصل سبب گناہ اور نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سابقہ قوموں کی ہلاکت وتباہی کا سبب ان کے گناہ اور معصیت بتایا ہے، جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (الانفال:۵۱-۵۴) یہ بسبب ان کاموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے ہی بھیج رکھا ہے بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں، مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے اگلوں کے، کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، مثل حالت فرعونیوں کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں، پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبودیا، یہ سارے ظالم تھے۔

اور فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (الانعام:۶) کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کرچکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارش برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں، پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کرڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کردیا۔

اور فرمایا: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (العنکبوت:۴۰) پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کرلیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو ہم نے ڈبودیا، اللہ تعالیٰ ایسا

نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

مزید آیات ملاحظہ فرمائیں: [یونس: ۳۱]۔[الکھف: ۹۵]۔[ہود: ۲۰۱]۔ [المائدہ:۸۷۔۹۷]

اب بگڑے ہوئے پرخطر ونا موافق ونامساعد حالات کو درست کرنے کے لیے ہمیں اپنے اخلاق واعمال کو درست کرنا ہوگا، حالات خودبخود درست ہوجائیں گے، ان شاءاللہ۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے۔آمین۔

مندرجہ بالاسطور میں یہ بات واضح ہوگئی کہ موجودہ حالات کے اصل سبب ہم خود ہیں، اس لیے ہمیں اپنے آپ کو بدلنا ہوگا اور اپنی خامیوں وکوتاہیوں کو دور کرنا ہوگا، مزید چند اہم امور ذکر کیے جارہے ہیں، ہم ان پر عمل کرتے ہوئے اللہ رب رحیم سے نصرت ومدد کی امید رکھیں، ضرور اللہ احکم الحاکمین ہمارے حال پر رحم فرماکر امن وامان اور سکون واطمینان نازل فرمائے گا، ان شاءاللہ۔

اللہ اور اس کے دین کی طرف لوٹ آئیں: مصائب ومشکلات اور نازک حالات میں بالخصوص ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ اور اس کے دین کی طرف لوٹ آئیں، اللہ سے لولگائیں، اس کے دربار میں ہاتھ اٹھا کر روئیں، گڑگڑائیں، آنسو بہائیں، سورہ الروم کی مذکورہ آیت کریمہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بروبحر میں فساد پھیلنے کا سبب ذکر کیا ہے وہیں لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کہہ کر کے اس کا حل بھی بتایا ہے، اسی طرح اللہ نے فرمایا: بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ نیز فرمایا: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام:۴۲۔۴۵) اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے، سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تاکہ وہ اظہار عجز کرسکیں، سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن ان کے قلوب سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کردیا، پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کردیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے، ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل مایوس ہوگئے، پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

حدیث میں ہے عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلالا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم (سنن أبي داؤد: كتاب: الاجارة، باب: في النهى عن العينة ۳٤٦۲، صحيح) جب تم بیع عینہ کرنے لگوگے، گائے اور بیل کی دم تھام لوگے، کھیتی باڑی میں مست ومگن ہوجاؤگے اور جہاد کو چھوڑ دوگے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس سے تم اس وقت تک نجات وچھٹکارا نہ پاسکوگے جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤگے۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حالات اس قدر خراب ہونے کے باوجود ہم میں اکثر لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، لاشعوری کی زندگی گزار رہے ہیں، دینی اعتبار سے ان میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آرہی ہے، اپنی دنیا بنانے اور اپنے اہل وعیال میں مست ومگن ہیں، ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ ہوش میں آئیں، بیدار ہوجائیں، اللہ کی طرف یکسو ہوجائیں، اللہ سے لولگائیں، ورنہ یہ غفلت اور عیش ومستی تمہیں لے ڈوبے گی، تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ دنیا کی شدید محبت تمہاری دنیا بھی برباد کردے گی اور آخرت میں دنیا پرستوں کے لیے دردناک عذاب ہے ہی۔ فتدبروا وتفكروا۔

توبہ واستغفار کا التزام: ایسے ماحول میں ضروری ہے کہ ہم اپنے گناہوں کو یاد کرکے اللہ سے توبہ واستغفار کریں، توبہ واستغفار مومن کا وظیفہ ہے، مصائب ومشکلات سے بچنے کا اہم ذریعہ ہے، آفتوں وبلاؤں کو ٹالنے کا مضبوط ہتھیار ہے، خوش گوار وپرسکون زندگی کا راز ہے، اللہ کی طرف سے حفظ وامان اور نصرت ومدد کا وسیلہ ہے، دنیا وآخرت کی فوز وفلاح کا ضامن ہے، اخروی اعتبار سے گناہوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کا اہم سبب ہے، جیسا کہ کتاب وسنت میں جگہ جگہ اس مضمون کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کے فوائد وثمرات کو واضح کیا گیا ہے، قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الانفال:۳۳) اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ (ہود:۳) اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک اچھا سامان (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو ایک بڑے دن کے

عذاب کا اندیشہ ہے۔اور فرمایا: وَ یٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّیَزِدۡکُمۡ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ (ہود:۵۲) اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو، تا کہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔اور فرمایا: وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (النور:۳۱) اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ۔

نمازوں کا خصوصی اہتمام: ہر مکلّف مرد وعورت پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اس میں کسی بھی قسم کی سستی وکوتاہی موجب ہلاکت ہے، ایسے حالات میں خصوصی طور پر ہم نمازوں کا اہتمام کریں، فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ونوافل کی پابندی کریں، وقت سحر اٹھ کر نماز تہجد کا اہتمام کریں، اللہ سے دعا ومناجات کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر وصلاح کے ذریعے استعانت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (البقرہ:۱۵۳) اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو، اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

نبی ﷺ کا اسوہ بھی ہمیں یہی بتاتا ہے، جب بھی آپ کی زندگی میں کوئی پریشانی لاحق ہوتی آپ فوراً نماز کا اہتمام کرتے، لیکن افسوس آج مسلمان نماز کے معاملے میں بہت غافل نظر آتے ہیں، وہ نماز جو ایک مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی عبادت ہے اور جس کے ترک پر شدید وعیدیں وارد ہیں، مسلمانوں کی اکثریت نمازوں کو ضائع کر رہی ہے، بعض لوگ ایک دو نمازوں کا اہتمام کر لیتے ہیں، بقیہ نمازوں میں پیچھے نظر آتے ہیں، آخر اللہ کی مدد کہاں سے آئے گی؟

مسلمانو! اللہ کے گھروں کو آباد کرو اللہ تمہارے گھروں کو آباد رکھے گا، اللہ کے احکام وقوانین کی حفاظت کرو اللہ تمہارا محافظ بن جائے گا، تم اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا، تم اللہ کے ہو جاؤ اللہ تمہارا ہو جائے گا، آج لوگ مسلمانوں کی مظلومیت کا شکوہ کرتے ہیں اور رونا روتے ہیں کہ آخر اللہ کی مدد کب آئے گی، اللہ اپنے وعدے کو کب پورا کرے گا، ظالموں کو اللہ کب ہلاک کرے گا، مظلوموں کی مدد کب ہوگی؟ یاد رکھیں کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اہل ایمان کے لیے عزت، سربلندی، نصرت ومدد، فلاح وکامرانی اور قیادت وسیادت کا وعدہ کیا ہے مگر اللہ کا وعدہ مشروط ہے ایمان اور عمل صالح سے، توحید وسنت سے، صبر وتقویٰ سے، ابتلاء وآزمائش سے اور توکل علی اللہ سے، اس کے بغیر ہم اللہ کی نصرت ومدد کی امید کیسے لگائے بیٹھے ہیں، اللہ اپنے وعدے کو پورا کرے گا اگر ہم واقعی مومن بن جائیں، اللہ نے فرمایا: وَلَا تَہِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ [آل عمران:۱۳۹] تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تمہیں غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار رہو۔

میسر ہو اگر ایمان کامل
کہاں کی الجھنیں کیسے مسائل
(حفیظ میرٹھی)

نبی ﷺ نے عبداللہ بن عباسؓ کو دوران سفر نصیحت کرتے ہوئے کہا: تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، تم اللہ کے حقوق کا خیال رکھو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے۔اس مفہوم کی قرآن میں دیگر آیات بھی ہیں۔

اذکار وادعیہ کا اہتمام: بلاشبہ ذکر ودعا ایک مومن کے لیے بڑا ہتھیار ہے، جب سارے ظاہری سہارے ٹوٹ جاتے ہیں اور تمام راستے مسدود نظر آتے ہیں ایسے وقت میں ذکر ودعا کا اہتمام ایک مومن کے لیے بڑا نفع بخش ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ سب سے بڑا سہارا اللہ کا سہارا ہے، سب سے بڑی طاقت اللہ کی طاقت ہے، سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں، عزت وذلت اور نفع ونقصان کا مالک وہی ہے، ہماری کوششوں کو کامیاب بنانے والی ذات وہی ہے، تقدیر کے فیصلے کو بھی دعاؤں کے ذریعے ٹالا جا سکتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ان نازک حالات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پرخلوص دعائیں کریں اور اجتماعی طور پر نمازوں میں قنوت نازلہ کا بھی اہتمام کریں، نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے، حدیث میں ہے: عن أنس بن مالک قال: کان النبی ﷺ اذا کربه أمر، قال: یا حی یا قیوم، برحمتک أستغیث (سنن الترمذی: أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ باب:۳۵۲۴، حسن) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی مشکل کام درپیش ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: یا حی یا قیوم، برحمتک أستغیث، اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! تیری رحمت کے وسیلے سے تیری مدد چاہتا ہوں۔

اس سلسلہ میں بعض اہم دعائیں ذیل میں نقل کی جا رہی ہیں:

۱۔رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۱)

۲۔لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (الانبیاء:۸۷)

۳۔رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (الاعراف:۲۳)

۴۔رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِکَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (یونس:۸۵۔۸۶)

۵۔رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرہ:۲۵۰)

۶۔رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا

بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (البقرہ:۲۸۶)

۷۔یا حی یا قیوم برحمتک استغیث، أصلح لی شانی کله، ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین (أخرجه النسائی فی السنن الکبری:۱۰٤۰۵) والبزار ٦۳٦۸، صحیح الجامع : ۵۸۲۰)

۸۔اللھم انا نجعلک فی نحورھم، ونعوذبک من شرورھم (سنن أبی داؤد کتاب الصلاۃ، مایقول الرجل اذا خاف قوما: ۱۵۳۷، صحیح)

۹۔ حسبنا الله ونعم الوکیل (صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران باب: ان الناس قد جمعوا لکم الآیة:٤۵٦۳)

۱۰۔اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، اللھم اھزم الأحزاب، اللھم اھزمھم وزلزلھم (صحیح البخاری:کتاب الجھاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمة والزلزلة :۲۹۳۳)

۱۱۔اللھم اکفینھم (صحیح مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب: قصة أصحاب الأخدود: ۲۰۰۵)

ایمان پر استقامت: نازک حالات میں ہمارے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے،اس آزمائش میں کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین اور ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں،حالات کی سنگینی انہیں ایمان سے نہیں پھیر سکتی، یہ سچے مثالی مومنوں کی پہچان ہے،کمزور ایمان والے ایسے وقت میں اپنے دین وایمان کا سودا کر بیٹھتے ہیں، دین وایمان پر استقامت اختیار کرنا بہت بڑی چیز ہے،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل استقامت کو دنیا وآخرت میں بشارت سنائی ہے، ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَااللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (فصلت:۳۰۔۳۲)(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو، تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے، غفور ورحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔ اور فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الاحقاف:۱۳۔۱۴) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے، یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحابی رسول سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیں کہ پھر میں اس کے متعلق آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں، تو آپ نے کہا: قل آمنت بالله فاستقم (صحیح مسلم:کتاب: الایمان، باب: جامع أوصاف الاسلام:۳۸) تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر جم جاؤ۔حالات کیسے بھی پر خطر ہوجائیں مگر ہمارے پائے ثبات میں تزلزل نہ پیدا ہو، ہمارے پاس سب سے عظیم دولت ایمان ہے، ہم اپنا سب کچھ لٹا سکتے ہیں مگر متاع ایمان محفوظ وسلامت رہے، ہم کسی بھی حال میں ایمان کا سودا نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں ایمان وتوحید پر قائم رکھے اور اسی ایمان پر خاتمہ فرمائے۔آمین۔

حسن اخلاق: دشمن کو شکست دینے کا سب سے مضبوط ہتھیار حسن اخلاق ہے، نفرت وعداوت کے ماحول میں ہم بلند اخلاق وکردار کے پھول کھلائیں، برائی کا بدلہ ہم بھلائی سے دیں، دوست ودشمن، مسلمان وکافر، اپنے اور غیر ہر ایک کے ساتھ حسن تعامل سے پیش آئیں، ہم اخلاق کریمانہ سے ان کا مقابلہ کریں، ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف، مساوات، ہمدردی وغم خواری، پیار ومحبت، نرمی، رحم وکرم اور عفو ودرگزر کا معاملہ کریں، صرف زبانی نہیں عملی طور پر ہم اپنے بلند کردار کا نمونہ پیش کریں۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے
(حفیظ میرٹھی)

اور ہم دنیا والوں کو یہ پیغام دیں کہ
ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے
(جگر مرادآبادی)

ہمارے نبی ﷺ کا اسوہ یہی ہے، وہ لوگ جو آپ کی دعوت کے مخالف تھے، آپ کے جانی دشمن تھے، مگر آپ کے حسن اخلاق سے متاثر تھے، آپ کو الصادق الامین کہا کرتے، نبی ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ذکر کرتے ہوئے فرمایا: انما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق، وفی روایة: انما بعثت لاتمم صالح الاخلاق (مجمع الزوائد:۹/۱۸، رجاله رجال الصحیح، أخرجه أحمد:۸۹۵۲، واللفظ له، والحاکم: ٤۲۲۱، والبیھقی: ۲۱۳۰۱، باختلاف یسیر، صحیح الجامع:۲۳٤۹) مجھے صالح اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

ظالم سے لیا ظلم کا بدلہ نہ کسی وقت
مارا بھی تو اخلاق کی تلوار سے مارا

نفرت وعداوت کے ماحول میں ہم کیسے زندگی گزاریں، ہمارا تعامل لوگوں کے ساتھ کیسا ہو؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ ’’كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ‘‘ حَمِیْمٌ ’’وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّاالَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَایُلَقّٰهَاۤاِلَّاذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ (فصلت:۳۴-۳۵) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔

اور فرمایا: جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنہ:۸) ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم کتاب وسنت کے ان زریں اصولوں کو اپنائیں، یہ بہت بڑی سچائی ہے کہ آج مسلمان اخلاقی اعتبار سے زوال پذیر ہے اور ہمارے برے اخلاق سے اسلام بدنام ہو رہا ہے، لوگ اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں، ہمیں اخلاقی برائیوں کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے اور ایک خوش گوار ماحول قائم ہو، اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین۔

اتحاد واتفاق: اتحاد واتفاق رحمت ہے اور افتراق وانتشار زحمت اور عذاب ہے، یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں اتحاد واتفاق پر زور دیا گیا ہے اور باہمی اختلاف ودشمنی سے منع کیا گیا ہے، اللہ نے فرمایا: وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال:۴۶) اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمان باہم شدید اختلاف کا شکار ہیں، دشمن کی نظر میں ہمارا کوئی وزن نہیں ہے، دشمن ہماری اس کمزوری کا فائدہ اٹھا رہا ہے، ایسے حالات میں قوم مسلم کو چاہیے کہ اپنے سارے اختلافات کو ختم کر کے اسلامی تعلیمات کا پابند ہو جائیں، اپنے دلوں کو پاک وصاف کر لیں، یاد رکھیں کہ اتحاد کا پلیٹ فارم کتاب وسنت ہے، اسی پلیٹ فارم سے ہم متحد ہو سکتے ہیں، کلمے کی بنیاد پر ہم متحد ہوں، ورنہ اب بھی اگر ہم میں دوریاں باقی رہیں تو یاد رکھیں دشمن ہمارے گھات میں ہے جو ہمیں بڑی آسانی سے شکار کر لے گا، دشمنوں کی غلط پالیسیوں اور سازشوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور سمجھ کر ایک ہونے کی ضرورت ہے، کیوں کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اور اس بات کو ذہن نشیں کر لیں کہ

متحد ہو تو بدل ڈالو نظام گلشن
منتشر ہو تو مروشور مچاتے کیوں ہو

اور اس حقیقت کو بھی سمجھ لیں کہ

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

مسلم قوم سے گزارش: ایسے پرآشوب دور میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں، اللہ سے لو لگائیں، اللہ پر توکل رکھیں، نفع ونقصان کا مالک اللہ ہے، اس کائنات میں اس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں، اعمال صالحہ کی پابندی کریں، کسی بھی حال میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ کے بارے میں اچھی امید رکھیں، ہمیشہ پرعزم وپرامید رہیں، امید وبیم اور عزم وہمت انسان کو مصائب برداشت کرنے کے قابل بناتی ہے، ناموافق حالات سے گھبرا جانا، خوف وہراس میں مبتلا ہونا مومن کی شان نہیں، یہ کافروں اور منافقوں کی علامت ہے، اسلام میں مایوسی کفر اور گمراہی ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف:۸۷) میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (الحجر:۵۶)

آلام ومصائب میں پریشاں نہیں ہوتا
مومن کبھی مایوس و ہراساں نہیں ہوتا

اس دور پرفتن اور نازک وسنگین حالات میں علماء ودعاۃ کی ذمہ داری ہے کہ اٹھیں اور قوم وملت کی صحیح رہنمائی کریں، وہ آپ کی رہنمائی کے شدید منتظر ہیں، ورنہ آپ کی خاموشی ملت کو صحیح رخ سے پھیر نہ دے اور وہ بھٹک نہ جائیں، یقیناً ہر دور میں علماء کی رہنمائیوں اور قربانیوں سے قوم آگے بڑھی ہے اور عزت وسرفرازی حاصل کی ہے، نیز قوم کے قائدین ورہنما اپنا قائدانہ کردار ادا کریں اور اپنی قیادت وسیادت کا صحیح استعمال کریں، خودغرضی اور ذاتی مفاد سے اٹھ کر قوم وملت کے مفاد کی فکر کریں، ہوش میں آئیں، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، ورنہ یاد رکھیں تاریخ ہمیں فراموش نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ملک وملت کی حفاظت فرمائے، امن وامان نصیب فرمائے، ہر طرح کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا ضیاء افضل فیضی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

نوجوانوں کا اخلاقی زوال ایک المیہ

اسلام ایک آفاقی اور ابدی مذہب ہے، اس کی تعلیمات انتہائی جامع اور حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں کو محیط ہیں، اسلامی شریعت نے اپنے متبعین کو جہاں مختلف عبادات واحکامات کا پابند بنایا وہیں مکارم اخلاق کی بھی پُر زور تلقین کی ہے، خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اور بلند ترین اخلاق کا نمونہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وزندگی قرآنی تعلیمات کی آئینہ دار تھی، اللہ تعالیٰ اعلیٰ قدروں کو پسند کرتا ہے نیز غیر اخلاقی، رذیل اور چھچھوری حرکتوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ماشئی أثقل فی میزان المؤمن یوم القیامة من خلق حسن، وان الله لیبغض الفاحش البذئ (أخرجه أبو داؤد ٤٧٩٩، وأحمد ٢٧٥١٧) مختصرا، والترمذی ٢٠٠٢)** کہ مومن کے میزان میں سب سے وزنی چیز حسن خلق ہے، بیشک اللہ فحش گو اور منہ پھٹ کو ناپسند کرتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کا یہ حکم جہاں عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لیے ہے وہیں نوجوانوں کے لیے خصوصی حکم ہے کہ وہ اچھے اخلاق وکردار کو اپنائیں اور مخلوق کے ساتھ حسنِ خُلق کا مظاہرہ کریں۔

اس لیے کہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ان عبادات کو بڑی اہمیت حاصل ہے جن کو ایک نوجوان اپنی نوجوانی کے ایام میں انجام دیتا ہے، بلاشبہ نوجوانی میں اس بات کے امکانات رہتے ہیں کہ نوجوان اپنی زندگی کے اس سنہرے مرحلہ کو ضائع کر دے گا، غیر اسلامی امور میں اپنے شب وروز گزار دے گا، غیر اخلاقی راہوں کو اختیار کر کے اسلامی حدوں کو پامال کر جائے گا لیکن جب کوئی نوجوان ان تمام برائیوں سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اسلامی احکامات کی پاسداری کرتا ہے اور اپنے دین وایمان کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس نوجوان کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں اور پھر نوجوانی کا مرحلہ ایسا ہے بھی کہ اس مرحلہ میں ہر شخص محتاط رہے اور مسلسل اعمال صالحہ کو انجام دیتا رہے اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله الامام العادل، وشاب نشأ فی عبادة ربه، ورجل قلبه معلق فی المساجد، ورجلان تحابا فی الله، اجتمعا علیه وتفرقا علیه، ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی أخاف الله ورجل تصدق أخفی حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه، ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه (أخرجه البخاری ٦٨٠٦، ومسلم ١٠٣١)**

کہ کل قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ جن سات خوش نصیبوں کو میسر ہوگا ان میں وہ نوجوان بھی ہوگا جس کی جوانی عبادت میں گزری ہو۔

حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتی تھیں: **یا معشر الشباب اعملوا، فانما العمل فی الشباب**

"نوجوانو! عمل کرو، بے شک اصل عمل تو جوانی کا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص جن چیزوں کو غنیمت جان کر ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی، ان میں بھی جوانی کا ذکر فرمایا: **شبابک قبل هرمک (الحاکم:٧٨٤٦) والبیهقی فی شعب الایمان ١٠٢٤٨)** "جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو۔"

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتزول قدم ابن آدم یوم القیامة من عند ربه حتی یسأل عن خمس، عن عمره فیم أفناه، وعن شبابه فیم أبلاه، وماله من أین اکتسبه وفیم أنفقه، وماذا عمل فیما علم (صحیح الترمذی:٦ ٢٤١)**

کہ روز قیامت ابن آدم کے پاؤں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے پاس سے نہیں کھسک سکیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ گچھ نہ کر لی جائے گی، (۱) اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی؟ (۲) اپنی نوجوانی کہاں کھپائی؟ (۳) مال کہاں سے اور کیسے کمایا؟ اور (۴) کہاں خرچ کیا؟ اور (۵) اس نے اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟"

اللہ تعالیٰ کے یہاں پوری عمر کے بارے میں سوال تو ہوگا ہی لیکن خصوصیت کے ساتھ جوانی کے ایام کا محاسبہ بھی ہوگا:

کہ نوجوانی کے ایام کہاں گزرے، کیسے گزرے، آیا کتاب وسنت کی آغوش میں گزرے یا پھر رائج الوقت معصیتوں کے اندر۔

جوانی کا مرحلہ بڑی اہمیت وخصوصیات کا حامل ہے مگر افسوس کہ ہماری موجودہ جنریشن، ہمارے نوجوان اخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں بری طرح ملوث ہیں، ان کا اخلاقی رویہ قابل افسوس ہے، ان کے یہاں صالحیت کا گراف مسلسل گرتا جا رہا ہے بلکہ ختم ہی ہے، اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور خالص اسلامی کلچر سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اسلام کے بنیادی عقائد ومبادیات سے عدم واقفیت

کی بنیاد پر وہ صحیح اور غلط کی تمیز نہیں کر پا رہے ہیں۔

اساسیات اسلام تو دور کی بات شعائر اسلام سے بھی ناواقف ہوتے جا رہے ہیں، آج نوجوانوں کی گفتگو بغیر گالی گلوچ کے مکمل نہیں ہوتی، ان کی مجلسیں بالکل ہی غیر اسلامی ہوتی جا رہی ہیں، اِن نوجوانوں کی ہر مجلس موسیقی اور بیہودگی کی عکاسی کرنے لگی ہے، دین سے لگاؤ بالکل آخری اسٹیج پر ہے بلکہ دم ہی توڑ رہا ہے، نوجوانوں کی اکثریت تعلیم وتربیت سے اُکتا سی گئی ہے بلکہ بغیر تعلیم کے وہ زندگی گزارنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔

الغرض یہ نوجوانان جو کہ ملت اسلامیہ ہند کے لیے امید کی کرن ہیں، انہیں میں مسلمانانِ ہند اپنا روشن مستقبل تلاش رہے ہیں مگر یہ ہر اعتبار سے تاریکی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔

نوجوانوں کے اخلاقی زوال کا جہاں ایک سبب دین سے بیزاری ہے تو وہیں نوجوانوں کے اوپر نفسانی خواہشات کا شدید غلبہ ہے، جس کے نتیجے میں وہ غیر اخلاقی سرگرمیوں کو دھڑلے کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں، ان کے دل ودماغ میں جو طبقہ بسا ہے وہ فلمی ستاروں کا ہے، جن کی وہ نقل کرتے ہیں، جن کو نوجوانان مکمل طور پر فالو کرتے ہیں، آج کا نوجوان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہیں جانتا ہے لیکن اگر اس سے گویئے کے بارے میں سوال کر دیا جائے، کسی فلمی اداکار کے بارے میں سوال کر دیا جائے تو وہ ان کی پوری زندگی اور ان کے کیریئر پر گفتگو کر سکتا ہے۔

یہ ملت اسلامیہ ہند کا المیہ ہے کہ اس کے نوجوانوں نے ان پاکیزہ نفوس یعنی کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اَن فالو کیا ہوا ہے جبکہ وہیں اس بات کے حقدار ہیں کہ ہم ان کو فالو کریں اور انہیں اپنا آئیڈیل تسلیم کریں۔

نوجوانوں میں اخلاقی زوال کا ایک سبب شادی میں تاخیر بھی ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: **يا معشر الشباب، من استطاع منكم الباءة فليتزوج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء (أخرجه البخاري:٥٠٦٦، ومسلم ١٤٠٠)**

کہ اے نوجوانو! تم میں جو بھی شادی کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ خواہش نفسانی کو توڑ دے گا۔

آپ سمجھ لیں کہ شادی میں تاخیر کی وجہ سے معاشرے پر مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دسیوں برائیاں جنم لیتی ہیں جن کے خطرناک نتائج پوری نسل کو برباد کر رہے ہیں، لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، ان پر گندی اور گہری نظر اور پھر نوجوانوں کا فحش فلموں اور رومانوی ویب سیریز سے خاصا لگاؤ اِسی شادی میں تاخیر کی وجہ سے ہے۔

نئی نسل میں اخلاقی زوال کا ایک بہت بڑا سبب مخلوط تعلیمی نظام ہے، جس کے نتیجے میں دو الگ الگ جنسوں میں اشتہا بڑھتی ہے اور پھر یہ روابط دن بہ دن گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں، اور جتنے یہ گہرے ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی اخلاقی زوال بڑھتا جاتا ہے، مخلوط تعلیم کے نقصانات ہمارے سماج پر بالکل عیاں ہیں، سابقہ دنوں میں ارتداد اور الحاد کے جو بھی کیسیز ہمارے سامنے آئے ان کا کہیں نہ کہیں تعلق ان یونیورسٹیز اور کالجز سے رہا جہاں اختلاط بالکل ادنی سی بات ہے، اربابِ علم ودانش کو مخلوط تعلیم کے نقصانات کا جائزہ لینے اور اس کے سد باب کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

دین اسلام نے نہ صرف غیر اخلاقی حرکتوں کو اختیار کرنے سے منع کیا بلکہ اس کی انفرادی اور اجتماعی قباحتوں سے بھی متنبہ کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **انما بعثت لأتمم مكارم الاخلاق** کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اشد ضرورت ہے کہ نوجوانان دین کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں، اسلامی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں، عقیدہ توحید سیکھیں اور سنت کے اصولوں کی روشنی میں اپنے شب روز کو گزاریں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور اس کی رہنمائی میں اپنی اخلاقی تربیت کا اہتمام کریں، اچھی صحبت اختیار کریں، خود اپنے لیے دعاؤں کا سہارا لیں، رب کریم سے نیک اعمال کی توفیق طلب کریں، شر سے پناہ مانگیں خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے: **اللهم اهدني لأحسن الأخلاق لا يهدني لأحسنها الا أنت واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها الا أنت.**

اس کے علاوہ والدین کے اوپر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سوشل میڈیا پر نوجوانوں اور نئی نسل کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہیں، ان کی حرکات وسکنات کا مسلسل جائزہ لینا ان کا بھی دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات یاد رکھیے، آپ نے کہا تھا

أعزنا الله بالاسلام فهما ابتغينا العزة في غيره أذلنا الله

کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت بخشا اور جب ہم اس کے بغیر یعنی کہ اسلام کی مخالفت کر کے عزت تلاش کریں گے تو وہ ہمیں ذلیل ورسوا کر دے گا۔

اس لیے لازم ہے کہ نوجوانان اپنی ہر فکر ونظر، شعور وخیال اور اعمال وکردار پر اپنے رب کی نگہبانی کا عقیدہ رکھتے ہوئے اپنے تمام امور کو پورے اخلاص کے ساتھ اپنے خالق حقیقی کے لیے ادا کریں، تب جا کر وہ ایک مثالی معاشرے کا بہترین اثاثہ ثابت ہو سکتے ہیں اور ایک بہترین معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے، آمین

☆☆☆

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، مئوناتھ بھنجن

طواف افاضہ سے متعلق ایک اہم مسئلہ

حج کے اعمال ومناسک کی ادائیگی کے سلسلہ میں حجاج کودسویں ذی الحجہ (یوم النحر) کی شب مزدلفہ میں گزارنے کے بعدوہاں سے صبح طلوع آفتاب سے پہلے منی کے لئے روانہ ہونا ہوتا ہے،اورمنی پہنچ کراس دن بالترتیب چارمناسک ادا کرنے ہوتے ہیں اول جمرہ کبریٰ (بڑے شیطان کی) رمی کرنا،دوم ہدی قربانی کا جانور ذبح کرنا،سوم حلق یا قصر (سر کا بال منڈانا یا قصر کرنا)، چہارم،منی سے مکہ مکرمہ جاکر کعبہ شریف کا طواف کرنا،اسے طواف افاضہ اورطواف زیارت بھی کہتے ہیں، یہ طواف افاضہ وقوف عرفہ کے بعد حج کا دوسرا اہم رکن ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے،اس کے بغیر حج ادا نہ ہوگا۔

ان چاروں مناسک اوراعمال حج کواسی ترتیب سے ادا کرنا مسنون، اولی اور مستحب ہے، تاہم اگر لاعلمی یا کسی اور وجہ سے یہ ترتیب قائم نہ رہے، تقدیم وتاخیر ہوجائے تو بھی حج کی صحت پر کوئی اثرنہیں پڑے گا، اور کوئی کفارہ دم وغیرہ لازم نہ آئے گا۔مگر یہ ترتیب قائم رکھنا ہی اولیٰ وافضل ہے،اسی طرح مسنون، مستحب اوراولی یہی ہے کہ پہلے تین مناسک واعمال کی طرح ان کے بعد طواف افاضہ بھی اسی دن، دن کے دن کرکے فارغ ہوجائے، تاہم اس کی بھی رخصت اورگنجائش ہے کہ طواف افاضہ کو موخر کرکے رات میں یا آئندہ کسی دن کرلے، اس تاخیر سے کوئی کفارہ یادم لازم نہیں آئے گا۔

پہلے تین مناسک جمرہ کبری کی رمی،قربانی،اورحلق یا قصر کی انجام دہی کے بعد بہرحال بلکہ جمرہ کبری کی رمی کے بعد ہی حجاج کواحرام سے حلت صغری ہوجاتی ہے، یعنی حالت احرام ختم ہوجاتی ہے، اور زن وشوی تعلقات جماع ودواعی جماع کے علاوہ، وہ تمام ممنوعہ امور جواحرام کی وجہ سےمحرم کے لئے ممنوع قرار پائے تھے حلال ہوجاتے ہیں، اوراحرام کی وہ سب پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، وہ لباس احرام اتار کر سلے معمول کے لباس پہن لیں گے،خوشبو لگاسکتے ہیں وغیرہ۔ البتہ جب وہ طواف افاضہ بھی کرلیں گے۔تب زن وشوی تعلقات کی جوممانعت اور پابندی باقی رہ گئی تھی وہ بھی ختم ہوجائے گی اور کامل حلت، حلت کبری حاصل ہوجائے گی، احرام کی تمام ممنوعات سے وہ حلال اورآزاد ہوجائے گا۔

ایک اہم مسئلہ یہاں یہ ہے کہ اگرکوئی حاجی کسی وجہ سے یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہی کو دن کے دن رات ہونے سے پہلے طواف افاضہ نہ کرسکے، اوراسے آئندہ رات میں کسی وقت کرنے کے لئے، یا آئندہ کسی دن کرنے کے لئے موخر کردے تو تین امور رمی جمرہ، قربانی اورحلق یا قصر کرنے کے بعد اسے جو پہلے حلت صغری حاصل ہوئی تھی وہ پھر بھی حاصل اور باقی وبرقرار رہے گی، یا اس صورت میں وہ ختم ہوجائے گی، اور یہ حاجی پھر حسب سابق حالت احرام میں لوٹ جائے گا، اسے لباس احرام پہن لینا ہوگا، اور احرام کی تمام پابندیاں اس پر عائد اور نافذ ہوجائیں گی۔ تاآنکہ وہ طواف افاضہ بھی کرلے۔طواف افاضہ کرلے گا تو اسے کامل حلت حاصل ہوجائے گی۔

اس خاص جزئیہ اوراس مسئلہ کا کوئی ذکر مذاہب اربعہ کی فقہی کتابوں اوراردو میں رہنمائے حج کتابوں، کتابچوں اوررسالوں میں نہیں ملتا، ان کتابوں میں اس بحث میں جوتفصیل اور جو بیان ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خواہ یوم النحر دسویں ذی الحجہ کودن کے دن طواف افاضہ نہ بھی کرے، اسے آئندہ کسی وقت کے لئے موخر کردے، اسے پہلے تین اعمال رمی جمرہ، قربانی اورحلق یا قصر کے بعد جوحلت صغری حاصل ہوئی تھی، وہ بہرحال حاصل، باقی اور برقرار رہے گی، وہ ختم نہ ہوگی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جیسا کہ بیان کیا گیا اس صورت میں وہ حالت احرام میں لوٹ آئے گا، اوراس پراحرام کی تمام پابندیاں عائد اورنافذ ہوجائیں گی، حدیث شریف میں یہی وارد ہے، فقہائے مذاہب اسے گرچہ نہ بیان کرسکے ہوں، لیکن صحیح حدیث میں یہی بیان ہوا ہے، **واذا صح الحديث فهو مذهبي**

سنن ابوداؤد میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بسند صحیح مروی ہے:

قالت: كانت ليلتي التي يصير الى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم مساء يوم النحر فصار الى فدخل علي وهب بن زمعة ومعه رجل من آل أبي أمية متقمصين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لوهب: هل أفضت أبا عبدالله! قال لا والله يا رسول الله، قال صلى الله عليه وسلم: انزع عنك القميص قال: فنزعه من راسه ونزع صاحبه قميصه من راسه، ثم قال: ولم يا رسول الله؟ قال صلى الله عليه وسلم: ان هذا يوم رخص لكم اذا أنتم رميتم الجمرة أن تحلوا. يعني من كل ما حرم الا النساء، فاذا أمسيتم قبل أن تطوفوا هذا البيت صرتم حرما كهيئتكم قبل أن ترموا الجمرة حتى تطوفوا به. (سنن أبي داؤد مع عون المعبود: جزء ٥/ ص ٣٣٤-٣٣٥ حديث رقم ١٩٩٧ كتاب الحج باب الافاضة في الحج)

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کوصحیح قرار دیا ہے، امام ابن القیم وغیرہ نے بھی اسے قوی اورمحفوظ کہا ہے جیسا کہ علامہ البانی نے صحیح ابوداؤد میں بیان کیا ہے، نیز ملاحظہ ہو، تہذیب السنن لابن القیم، رحمہم اللہ۔

اس حدیث کا خلاصہ ترجمہ وتوضیح یہ ہے: ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان

فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو جبکہ میری باری تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں میرے پاس تھے، وہاں میرے پاس وہب بن زمعہ اور ایک صاحب جن کا تعلق آل ابی امیہ سے تھا، آئے وہ دونوں لباس احرام اتار کر قمیص پہنے ہوئے تھے، (کیونکہ وہ اس دن کے پہلے تین مناسک رمی جمرہ، قربانی اور حلق ادا کر چکے تھے اور انھیں حلت صغری حاصل ہو چکی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب بن زمعہ سے دریافت کیا ابوعبداللہ! کیا تم نے طواف افاضہ بھی کرلیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، واللہ یا رسول اللہ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: یہ قمیص اتار دو (یعنی اور لباس احرام پہن لو) تو انھوں نے اور ان کے ساتھ جو صاحب تھے انھوں نے بھی قمیص اپنے سر کی طرف ہی سے اتار دی، پھر وہب بن زمعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ یہ قمیص اتار دینے اور لباس احرام پہن لینے کا حکم کس وجہ سے ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ: بیشک اس دن یعنی یوم النحر کو جب تم لوگ جمرہ کبری کی رمی کرلو تو یہ رخصت ہوگئی کہ تم لوگ حلال ہوگئے۔ زن وشوی تعلقات جماع ودواعی جماع کے علاوہ وہ سب امور ممنوعہ جو احرام کی وجہ سے محرم کے لئے ممنوع قرار پائے تھے وہ سب تمہارے لئے حلال ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر یوم النحر گزر گیا اور رات ہوگئی قبل اس کے کہ تم طواف افاضہ کرلو۔ (یعنی یوم النحر گذرنے اور رات ہوجانے کے باوجود طواف افاضہ نہیں کیا گویا اسے موخر کردیا کہ رات میں کسی وقت یا آئندہ کسی دن کرلیں گے) تو پھر تم اسی طرح حالت احرام میں ہوجاؤ گے جیسا کہ جمرۂ کبری کی رمی سے پہلے تھے، یعنی جملہ ممنوعات احرام عائد اور نافذ ہوجائیں گی، سلے کپڑے قمیص وغیرہ اتار کر لباس احرام پہن لینا ہوگا۔

یہ یا اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ شرح معانی الآثار للطحاوی میں ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما عکاشہ بن وہب کی ہمشیرہ جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ صحابی عکاشہ بن وہب اور ان کے ایک دوسرے بھائی یوم النحر کو غروب آفتاب کے بعد ان کے پاس آئے، وہ دونوں قمیص اتارے ہوئے تھے (اور لباس احرام پہنے ہوئے تھے) حالانکہ وہ پہلے معمول کے لباس پہنے ہوئے تھے اور خوشبو بھی لگائے ہوئے تھے، (کیونکہ وہ یوم النحر کو رمی جمرہ، قربانی اور حلق کر چکے تھے) تو میں نے ان سے کہا یہ کیا؟ تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اسی دن (یوم النحر کو) طواف افاضہ بھی نہیں کرلیا ہے، تو اس نے جو معمول کا لباس پہن لیا ہے اسے اتار دے (یعنی لباس احرام پہن لے، اب وہ حالت احرام میں لوٹ آیا ہے)

من لم يكن أفاض من هنا فليلق ثيابه... وفي رواية من لم يفض الى البيت عشية هذه فليدع الثياب والطيب... (شرح معانی الآثار كتاب مناسك الحج باب اللباس والطيب متى يحرمان حديث رقم ٤٠٢٥ و ٤٠٢٦)

علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ اول الذکر حدیث، حدیث ام سلمہ کی شرح کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل اور اس سے ثابت شدہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ یوم النحر کو رمی جمرہ کے بعد حاصل شدہ حلت اسی کے لئے حاصل اور باقی وبرقرار رہتی ہے جس نے اسی دن گیارہویں ذی الحجہ کی رات آنے سے پہلے منی سے مکہ مکرمہ جاکر طواف افاضہ بھی کرلیا ہو، اگر کسی نے ایسا نہیں کیا تو حاصل شدہ حلت صغری بھی باقی وبرقرار نہیں رہ جائے گی، بلکہ وہ پہلے کی طرح پورے حالت احرام میں ہوجائے گا، اس پر جملہ ممنوعات احرام عائد ونافذ ہوجائیں گی، اگرچہ اس نے رمی جمرۂ کبری، قربانی اور حلق کرلیا ہو، **بل بقي حراما كما كان ولم يحل له شئي مما كان عليه حراما في الاحرام وان كان رمى وذبح وحلق** (عون المعبود: جزء ٥ ص ٣٣٦)

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا کہ یہ مسئلہ عموما مذاہب اربعہ کی فقہی کتابوں اور حجاج کی رہنمائی کے لئے ترتیب دی گئی اردو کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسالوں میں بھی نہیں ملتا، البتہ امام البانی رحمہ اللہ نے اسے اپنے رسالہ ”مناسک الحج والعمرۃ“ میں بطور خاص بیان کیا ہے اور اس طرف توجہ دلائی ہے۔ سچ ہے **كم ترك الاول للآخر فجزاه الله خيرا عن الاسلام والمسلمين، ورفع درجاته في جنات النعم آمين** بلاشبہ یہ مسئلہ قابل توجہ ہے، حج تربیتی پروگراموں میں علمائے کرام کو اسے بھی ضرور بطور خاص بیان کرنا چاہیے۔ یادش بخیر! مولوی اقبال محمدی جن دنوں جمعیت اہل حدیث مئو کے ناظم تھے، اور انھوں نے حجاج کی رہنمائی اور تربیت کے لئے جو حج تربیتی پروگرام کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس میں جب بھی مجھے شریک ہونے کا موقع ملتا تھا اس مسئلہ کو اس میں میں ضرور بیان کرتا تھا، واللہ ہو الموفق

عزیزم حافظ فضیل سلمہ (حفید شیخنا المفضال مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضی رحمۃ اللہ علیہ) جس سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جانے والے تھے، وہ اس سال کے حج تربیتی پروگرام میں شریک تھے، اس میں بھی میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا جسے عزیزم نے سنا اور یاد رکھا تھا، وہ حج کے لئے گئے، صحیح سے واپسی کے بعد انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں حرم میں ایک ہندوستانی عالم کے درس میں برابر شریک ہوتا رہا، ایک دن مولانا صاحب نے یوم النحر کے مناسک واعمال اور متعلقہ احکام ومسائل کو بیان کیا، لیکن اس مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں ہوا، تو میں نے اختتام درس کے بعد مولانا صاحب سے اس مسئلہ کا ذکر کیا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا، تو مولانا موصوف کو یک گونہ تعجب ہوا، اور کچھ توقف کے بعد پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو، اور کس عالم نے تم سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ میں مئو ناتھ بھنجن انڈیا سے آیا ہوں، اور یہ مسئلہ مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی صاحب نے بیان کیا ہے، اور انھوں نے علامہ البانی صاحب کے کسی رسالہ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ چونکہ مولانا صاحب آپ کو جانتے تھے، کہا کہ جب مولانا فیضی صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اور علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، تو ضرور صحیح ہے پھر دوسرے روز مولانا صاحب نے اس مسئلہ کا ذکر کیا اور اس کی تصویب فرمائی، اور ہمیں بہت بہت دعائیں دیں۔ **فجزاه الله خير الجزاء** ☆☆

نکاح راحت وسکون کا ضامن

مولانا محمد عارف ریاضی

مکان اور خاندان کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے، مکان کی مضبوطی کا دارومدار اس کے درودیوار کی آرائش وزیبائش پر نہیں بلکہ پائیدار بنیاد پر ہوتا ہے۔ کسی مکان کی بنیاد ہی کمزور ہو تو شاخ نازک پر بننے والا آشیانہ ناپائیدار ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر نظام خاندان کی پائیدار بنیاد کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (سورہ النساء آیت:۱)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قطع رحم سے بچو بے شک اللہ تمہاری نگرانی کررہا ہے۔"

آیت مبارکہ میں اللہ پاک کی قدرت اور طاقت کا بیان ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس نے انسانی معاشرے کو ایک انوکھے انداز میں ترتیب دیا ہے۔ آدم کی ایک ذات سے دنیا کی ویرانی کو آبادی میں بدل دیا اور انسان ہی کو اس کا ذریعہ بنایا اس طرح انسان ایک ذات سے ایک معاشرے میں بدل گیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں اللہ نے انسان کو پیدا فرما کر اسے دوجنسوں میں تقسیم فرمادیا (مرد وعورت) اور دونوں میں ایک دوسرے کے لئے طبعی میلان پیدا کیا تاکہ یہ میلان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کردے اور یہ قربت نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ بن سکے۔ مرد وعورت دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتے اللہ پاک نے ان میں ایسا فطری جذبہ رکھا ہے جوان کو ایک ہونے پر مجبور کرتا ہے اور یہ جوڑا آپ ہی آپ خاندان معاشرہ اور آبادی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

قارئین کرام! (اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور انسان کے نزدیک ان نفع مند آثار کو محبوب بنایا جو نکاح کی وجہ سے خاص کر اس کا فرد پر تمام امت پر اور عمومی طور پر بنی نوع انسان پر مرتب ہوتے ہیں) چونکہ جنسی خواہش تمام خواہشات سے سخت اور شدید ہوتی ہے اور ہمیشہ خواہش والے شخص سے اصرار کرتی ہے کہ اس کی تکمیل کا راستہ ایجاد کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (سورہ روم:۲۱) "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے جوڑا بنائے اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی بے شک اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔" (الروم:۱۲)

مذکورہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کردیا کہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کردی جو مردوں کی بیویاں بنیں۔ ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دومختلف قسمیں پیدا فرمادیں۔ جن کے اعضاء وجوارح صورت وسیرت، عادات واخلاق میں نمایاں تفاوت اور امتیاز پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت وحکمت کے لئے یہ تخلیق ہی کافی نشانی ہے، اس کے بعد عورتوں کی اس خاص نوع کی تخلیق کی حکمت ومصلحت یہ بیان فرمائی۔ لتسکنوا الیھا یعنی ان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمہیں ان کے پاس پہنچ کر سکون ملے۔ مرد کی جتنی ضروریات عورت سے متعلق ہیں۔ ان سب میں غور کیجئے تو سب کا حاصل سکون قلب اور راحت واطمینان نکلے گا۔ قرآن کریم نے ایک لفظ میں ان سب کو جمع فرمادیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون وراحت قلب ہے جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام ونامراد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باہمی سکونِ قلب صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرد وعورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازدواج پر ہو۔

قارئین کرام! نکاح ایک معاشرتی ضرورت ہے، معاشرہ افراد سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ افراد کی افزائش وپیداوار کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا سلسلہ جاری کردیا ہے۔

یہ سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور تاقیامت جاری رہے گا، افزائش نسل کے حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (النحل:۷۲)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اورتمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (ابوداؤد:۵۰۲۰)

''اس عورت سے شادی کرو جو زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو، میں قیامت کے روز دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا۔''

نوجوانوں کو نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ارشادفرماتے ہیں: **یامعشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء** (بخاری ومسلم ۵۶۰۵، ۰۰۴۱)

''اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جسے نکاح کرنے کی استطاعت ہوتو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح نظر کو جھکانے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو۔ وہ روزہ رکھنے کو لازم پکڑ لے یہ اس کی شہوت کا توڑ ہوگا۔

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق آپ لوگوں کو نکاح کا حکم صادر فرمارہے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں: **ومن کان ذاطول فلینکح** (ابن ماجہ)

جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرلے۔

قارئین کرام! پتا یہ چلا کہ نکاح انسان کی روحانی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعے انسان روحانی اور نفسیاتی طور پر سکون واطمینان پاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے صنف مخالف میں اس کے لئے جذب وکشش کی کیفیت ودیعت فرمادی ہے، جس کی وجہ سے ہر صنف جنس اپنی صنف جنس مخالف سے قریب ہونا چاہتی ہے، اوراس سے ملاپ کے ذریعے جنسی تسکین چاہتی ہے۔

چنانچہ نکاح اس ضرورت کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مزید ارشادفرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی بیوی کو پیدا کیا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔'' (سورہ الاعراف:۱۸۹)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کہ نکاح انسانی زندگی میں سکون کا باعث ہے اس لئے ہم میں سے ہر فرد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ نکاح کو آسان بنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عطافرمائے۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۵ کا)

کر کے کیسے کامیاب ہوسکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے دعا کی: ''**اللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ**'' ترجمہ: پروردگار! تو میری قوم کو راہ راست پر گامزن فرما، یہ نادان ہیں۔

غزوہ بدر میں بھی آپ کا یہی سہارا تھا اور سخت حالات میں جبکہ آپ کے چاروں طرف یاروں ومددگاروں کا جم گھٹا تھا اور ان جاں نثاروں نے پروانہ وار جان نچھاور کرنے کے لیے نعرہ لگایا: ہم آپ کے آگے سے لڑیں گے، دائیں سے بائیں سے اور چوطرفہ لڑیں گے۔ یہ ایشیاء وعرب کی زمین ہی کیا ہم حبشہ وافریقہ تک گھستے چلے جائیں گے اور ہم کسی کو کسی طرح خاطر میں نہ لائیں گے: ''**لَوْ خُضْتَ بِنَا هٰذَا الْبَحْرَ لَخُضْنَاهُ مَعَكَ مَا تَخَلَّفَ مِنَّا رَجُل وَاحِد**'' ترجمہ: اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر میں بھی گھس جائیں تو ہم آپ کے ہمراہ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی انسان پیچھے نہیں رہے گا۔

ایک طرف یہ تیاری ہے اور جوش وولولہ جہاد اور فدائیت ہے تو دوسری طرف اللہ جل شانہ سے قرب وتعلق اور مناجات کا یہ عالم ہے کہ فتح سے پہلے فتح وکامرانی کا جھنڈا بلند کرنے کے لے اللہ تعالیٰ کو ان جذبات اور شدت احساس سے پگھل کر یہ بھی کہہ رہے ہیں: ''**اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِی مَا وَعَدْتَنِی اللهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِی اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ**'' ترجمہ: اے اللہ! تو اپنا وعدہ پورا فرما، اے اللہ! تو اپنا وعدہ ہمیں عطا فرما۔ اے پروردگار! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک وبرباد ہوگئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جاسکے گی۔

آپ میدانِ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے قبل ہی سے جبکہ دشمن تیاریوں میں مصروف ہیں اور فریقین میدان میں فوجیں اتار رہے ہیں، رب سے سرگوشی ومناجات میں اس قدر مشغول ومنہمک ہیں کہ چادر مبارک جسم اطہر سے گر کر زمین پر آرہی ہے اور آسمان سے فتح ونصرت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوگئے: ''**یَا نَبِیَّ اللّٰهِ، كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ؛ فَإِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ**'' ترجمہ: اے اللہ کے نبی! رب کے سامنے گریہ وزاری بند کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

اللہ جل شانہ سے جو راز ونیاز، بندگی وعبادت اور سوال وجستجو آپ ﷺ نے کرلیا وہ اب کافی وافی ہے۔ زندگی کے دیگر احوال ووقائع اور روزمرہ کے حوائج حتی کہ جوتی کے تسمہ کے لیے بھی اللہ ہی سے دعا کی جارہی ہے۔

عزیزو! آپ بھی رمضان کی ان مبارک آخری ساعات میں دعا جیسی عظیم عبادت کی حقیقت کو پاجایئے اور اسے اپنا وظیفہ بنالیجیے۔ ☆☆

الحاج وکیل پرویز، ایم۔اے، بی۔ایڈ
ناظم مالیات، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(پہلی قسط)

ہمارا ماحول

آج دنیائے انسانیت دواہم مسائل سے دوچار ہے۔ ماحول کی بڑھتی ہوئی آلودگی اور کرۂ ارض پر حرارت میں غیر متوقع اضافہ جسے کروی حرارت Global Warming سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۱۹۹۴ء میں اقوام متحدہ کی رپورٹ میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) کے مطابق دنیا کے سات شہروں میں سے پانچ شہر ایشیا کے ہیں جہاں سب سے زیادہ آلودگی پائی جاتی ہے۔ ان شہروں میں کولکاتہ، ممبئی، دہلی، بیجنگ اور جکارتا شامل ہیں۔ دہلی اور ممبئی ان شہروں میں سے ہیں جہاں سب سے زیادہ آلودگی پائی جاتی ہے۔۲۰۰۰-۲۰۰۱ کی رپورٹ میں چنئی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ WHO کی موجودہ رپورٹ کے مطابق ایران، ہندوستان، پاکستان اور منگولیا دنیا کی آلودہ ترین ممالک ہیں جن میں ہندوستان کا کانپور، پاکستان کا کراچی بھی شامل کیا گیا ہے۔ ایران کے شہر اہواز کو دنیا کا آلودہ ترین شہر مانا گیا ہے۔

تازہ ترین رپورٹ کے مطابق دہلی کی بڑھتی ہوئی آبادی اور ذرائع نقل وحمل میں روز افزوں اضافہ نے اس شہر کی فضا کو تشویشناک حد تک آلودہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے اور بیجنگ، قاہرہ اور میکسیکو جیسے آلودہ ترین دارالحکومت کی صف میں کھڑا کردیا ہے۔ ہوا میں شامل گردوغبار کے باریک ذرات انسانی صحت کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔ عالمی ادارہ صحت عامہ WHO کے مطابق یہ انتہائی باریک ترین ذرات انسانی پھیپھڑوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر وہاں مستقل طور پر جم جاتے ہیں۔ اس سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں اموات واقع ہوتی ہیں۔ اس عالمی ادارہ نے ہوا میں ان ذرات کی زیادہ سے زیادہ مقدار ۲۰ ذرات فی مکعب میٹر کی قانونی حد مقرر کی تھی جبکہ آج اس شہر میں دہلی انتظامیہ نے ۱۰۰ ذرات فی مکعب میٹر کی قانونی حد مقرر کی تھی۔ آج اس شہر میں ۳۰۰ ذرات فی مکعب میٹر ناپے گئے ہیں۔

بیسویں صدی کے اواخر اور خصوصاً ۱۹۹۰ کی دہائی ماحولیات کا بدترین دور تصور کیا جاتا ہے۔ ۱۶/جنوری سے ۲۶/جنوری ۱۹۹۱ء کے دوران خلیجی جنگ میں عراق پر امریکہ کی سرکردگی میں اتحادی افواج کی یلغار کی گئی۔ اس دوران عراق اور کویت پوری طرح برباد ہوگئے۔ عراق کے مختلف علاقوں پر تقریباً ایک ایک ٹن کے ایک لاکھ بم گرائے گئے۔ ہر بم ۲۷ فٹ گہرا اور ۴۵ فٹ نصف قطر کے علاقہ کو اکھاڑ پھینکتا تھا جس سے گردوغبار اور سیاہ بادل چھا جاتے ہیں۔ دس ماہ کے دوران کویت کے سات سو تیل کے کنویں نذر آتش ہوگئے۔ ان کے جلنے سے ہر روز ۸۰ ملین ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ اور ۶۳ ملین ٹن سلفر ڈائی آکسائیڈ کا اخراج ہوتا تھا۔ جس سے نہ صرف شمال مشرقی اور عرب ممالک کی مانسونی فضا بری طرح متاثر ہوئی بلکہ پورا ایشیا کسی نہ کسی طرح اس کی زد سے نہیں بچ سکا۔ ظاہر ہے کہ عراق اور کویت کی عمارت اور سڑکوں کو تو دوبارہ تعمیر کیا جاسکتا ہے لیکن وہاں کے ماحول کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ اسے درست ہونے کے لئے برسہا برس درکار ہیں جسے یہاں کی اگلی نسلوں کو بھگتنا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اگلے پانچ سالوں میں جو لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے وہ اس طرح ہے:

۱۔ کوئلہ کی آگ سے چلنے والی بجلی کی توانائی والے کارخانوں کو زیادہ زود اثر گیس سے چلنے والے کارخانوں میں تبدیل کیا جائے۔ شمسی توانائی اور ہوائی توانائی کا زیادہ تر استعمال کیا جائے۔

۲۔ بڑے شہروں میں گاڑیوں سے زیادہ دھوئیں دینے پر جرمانہ عائد کیا جائے۔

۳۔ کلوروفلوروکاربن کی جگہ ایئر کنڈیشنروں اور ریفریجریٹروں میں دوسرے متبادل مثلاً بیوٹین اور بیرومین استعمال کیا جائے۔

۴۔ جنگلوں کی کٹائی اور جانوروں کا استحصال کم سے کم کیا جائے۔

۵۔ اگلے پانچ برسوں میں ۳۰ فیصد آبادی کم کی جائے۔

۶۔ میتھین اور خضرہ گھروں میں گیسوں میں کمی کی جائے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ان سفارشات پر کب عمل ہوگا اور کون کرے گا جبکہ ہر طاقتور ملک کمزور ملک کو مغلوب کرنے کے لئے نہ صرف اپنے اثرات استعمال کرتا ہے بلکہ جنگی ہتھیاروں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یورپی ممالک نے ایشیا کو تختہ مشق بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ آبادی کا مسئلہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ امر الٰہی میں راہ راست مداخلت کے مترادف ہے جس کا خمیازہ ہم بھگت رہے ہیں۔ نیز بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ذرائع نقل وحمل میں اضافہ لازمی امر ہے۔ نئی نئی کمپنیاں وجود میں آرہی ہیں اور انسان دن بہ دن غیر قدرتی وسائل کا خوگر ہوتا جارہا ہے۔

میری دانست میں اس سے قطع نظر کہ ہم صرف شاکی رہ کر تماشائی بنے رہیں ہمیں چاہیے کہ ذرائع ابلاغ اور لٹریچر کے ذریعے اپنے ملک کے ہر شہری میں یہ احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی سعی پیہم کرتے رہیں تاکہ وہ بڑھتی ہوئی آلودگی کے مسائل کو کم کرنے کے لئے فرداً فرداً کوشاں رہیں۔

☆☆☆

مولانا ابوالوفا کا انتقال پُرملال: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق آرگنائزرخطیب ومدرس اور معروف عالم دین مولانا ابوالوفا کا ۲۷/مارچ بروز بدھ طویل علالت کے بعدآگرہ میں انتقال پرملال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم موذی مرض شوگر، بلڈ پریشراورامراض قلب میں مبتلا تھے۔ڈاکٹر نے بیماری کے آخری ایام میں ہفتہ میں دودن ڈائیلیسس کا بھی مشورہ تھا۔ بنیادی طورپرکوہڑابستی، اترپردیش کے رہنے والے مولانا ابوالوفا ۱۹۹۰ء سے مستقل آگرہ میں آباد ہوگئے تھے اوراسی شہرکوانھوں نے اپنا دوسراوطن بنالیا۔مولانا مرحوم نے مدرسہ مدینۃ العلوم کرنجوت بازارسنت کبیرنگراوردیوریااترپردیش میں بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے آرگنائزرکے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعدانھوں نے اپنی مادرعلمی جامعہ رائے درگ کارخ کیا یہاں بھی انھوں نے درس وتدریس کافریضہ انجام دیا۔ وہ آگرہ کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ بھی دیتے رہے۔ایک مستندومعتبرعالم دین کی حیثیت سے آگرہ میں ان کی شہرت تھی۔وہ خطابت وتدریس کےعلاوہ تصنیف وتالیف کااچھاذوق رکھتے تھے۔ان کی اب تک کئی کتابیں شائع ہوکرمقبول ہوچکی ہیں۔علاوہ ازیں مختلف رسائل وجرائدمیں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔درس وتدریس میں امتیازی شناخت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ طلباوطالبات ان کےطرزتدریس سے متاثراورخودمرحوم طلباوطالبات سے مشفقانہ سلوک کرتے تھے۔ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جوتعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں۔ جومرحوم کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔بلاشبہ ان کا انتقال جماعت کا خسارہ ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے ورثاء کوصبروسلوان اورمرحوم کوجنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔(شریک غم ودعاگو: مولانا اصغرعالی امام مہدی سلفی، امیرمرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر حافظ محمد یحییٰ دھلوی رحمہ اللہ کی اھلیہ کا انتقال پُرملال: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کےسابق امیرحافظ محمدیحییٰ دہلوی رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ کا مورخہ ۲۸/مارچ ۲۰۲۴ءمطابق ۱۷/رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ بروزجمعرات بوقت تقریباپونے ۸/بجے صبح بعمر ۸۹ سال انتقال ہوگیا۔اناللہ واناالیہ راجعون۔

مرحومہ نیک ودیندارمہمان نوازاورعلماء کی قدردان تھیں۔ان کوقوم کی ناخواندہ بچوں اورعورتوں کی تعلیم وتربیت سے بڑی گہری دلچسپی تھی۔ وہ اپنے آس پڑوس کے بچوں کوقرآن اوردینیات کی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئےفکرمندرہتی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے گھرپرناخواندہ عورتوں اوربچیوں کوقرآن اوراسلامیات کی مفت تعلیم دیتی تھیں۔بلاشبہ یہ دینی وانسانی خدمت یقیناًان کے لئےصدقہ جاریہ ہیں۔ان شاءاللہ

ان کی تدفین اسی روز بعدنمازظہرشیدی پورہ قبرستان، دہلی میں عمل میں آئی۔ ان کے پسماندگان میں دوبیٹے جناب اسعدیحییٰ، جناب مسعودیحییٰ، چاربیٹیوں کے علاوہ پوتے پوتیاں، نواسےنواسیاں اوربھراپوراخاندان ہے۔قوم کی بچیوں کی تعلیم وتربیت کی فکرمنداوراولادکاماں باپ کے سایہ عاطفت ونگہبانی سےمحروم ہوجانا اہل خانہ ومتعلقین کے لئے یقیناً ایک عظیم صدمہ ہےلیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کوکون ٹال سکتاہے۔مرکزی جمعیت کے دیگر ذمہ داران نے سابق امیرکی اہلیہ کے انتقال پر گہرے رنج وغم اورپسماندگان سےاظہارتعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ دونوں صاحب زادگان اسعدومسعودودیگرمتعلقین کوصبرجمیل اورمرحوم کوجنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔آمین (شریک غم ودعاگو: مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور، جھارکھنڈ کے شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ استاذ الاساتذہ مولانا اشرف الحق رحمانی صاحب کا انتقال پُرملال:

نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبرسنی گئی کہ جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور، جھارکھنڈ کے شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ استاذ الاساتذہ مولانا اشرف الحق رحمانی صاحب کا ۱۵/اپریل ۲۰۲۴ء تقریباً 7 بجے شام بعمر تقریبا 84/ سال طویل علالت کے بعدآبائی گاؤں نرائن پور میں انتقال ہوگیا۔اناللہ واناالیہ راجعون

شیخ الحدیث مولانا اشرف الحق رحمانی صاحب کواللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سےنوازاتھا۔آپ بڑے خلیق وملنسار، متواضع، علم دوست، علماء کےقدرداں، جماعتی وملی غیرت سےسرشار، مہمان نوازاوراچھےانسان تھے۔جماعتی وملی اورسماجی کازسے کافی دلچسپی رکھتے تھےاورجماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے، ضلعی جمعیت اہل حدیث صاحب گنج کی مجالس عاملہ وشوریٰ کےرکن تھےاورجمعیت کی کانفرنسوں میں اہم ذمہ داریاں نبھاتے تھے، آپ لگ بھگ دوسال سےکینسرکے مریض تھےاوراسی بیماری میں داعی اجل کولبیک کہہ گئے۔ بلاشبہ ان کا انتقال ملک وملت اورجماعت کاعظیم خسارہ ہے۔۔پسماندگان میں اہلیہ، پانچ صاحب زادےاوردوصاحبزادیاں ہیں۔نماز جنازہ دوسرے روزمورخہ 16 اپریل ۲۰۲۴ء کوبوقت دس بجے صبح آبائی گاوں نارائن پورمیں اداکی گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذرکرے، دینی ودعوتی، جماعتی اورتعلیمی خدمات کوشرف قبولیت بخشے اوران کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کامکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کوصبرجمیل کی توفیق بخشے اورجمعیت وجماعت کوان کانعم البدل عطافرمائے۔آمین (شریک غم ودعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیرمرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

اخبارات سے :

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر اور عالم اسلام کی معتبر دینی وملی اور علمی شخصیت معروف عالم دین

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے رکن منتخب

دہلی: ۱۵/اپریل ۲۰۲۴ء

باوثوق ذرائع کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر اور ملک وملت کی معتبر ومقتدر دینی وملی اور علمی شخصیت معروف عالم دین مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی اسلامی فقہ اکیڈمی کے رکن منتخب ہوئے ہیں اور جلد ہی اس کے اجلاس میں ان کی شرکت متوقع ہے۔

واضح رہے کہ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اس سے قبل بھی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی دسیوں عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرما چکے ہیں اور متعدد عالمی دینی وعلمی اداروں کے رکن بنائے جاتے رہے ہیں۔آپ تقریباً ۱۰ سالوں سے شہزادہ امیر نائف عالمی ایوارڈ برائے سنت نبوی ومعاصر اسلامی تحقیقات کی اعلیٰ کمیٹی ریاض کے رکن ہیں۔اسی طرح آپ عالمی مجلس حکماء المسلمین مصر کے بھی آپ رکن رکین ہیں اور الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین قطر اور مجلس علماء المسلمین العالمی بلجیم کے رکن رہے ہیں۔انہوں نے پچاسوں عالمی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی ہے اور مقالات واقتراحات پیش کئے ہیں۔

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ملکی سطح پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی ورکن مجلس عاملہ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے نائب صدر ورکن سپریم گائیڈنس کونسل، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے رکن مجلس منتظمہ کے علاوہ درجنوں اداروں کے سرپرست، موسس، رئیس اور رکن رکین ہیں۔ازیں قبل آپ حکومتی ادارہ مولانا آزاد فاؤنڈیشن کے بھی رکن رہے ہیں۔انہوں نے متعدد کتابیں تالیف وترجمہ اور تحقیق کی ہیں۔جریدہ ترجمان اردو، ماہنامہ دی سمپل ٹروتھ انگریزی اور ماہنامہ اصلاح سماج ہند کے مدیر مسئول بھی ہیں۔آپ کے مقالات اور اداریے علمی، ادبی حلقوں میں کافی پسند کئے جاتے ہیں۔سماجی وملی حلقوں میں آپ کی آراء قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔مولانا نے تقریباً دو دہائی تک جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔مولانا کی دینی، علمی، قومی، ملی، جماعتی اور سماجی خدمات کے اعتراف میں متعدد ایوارڈس سے بھی نوازا گیا ہے۔ مولانا کی زندگی کی مختلف روشن جہات ہیں اور آپ کی ملی، قومی، ملی، جماعتی اور علمی، فکری خدمات سے قوم وملت مستفید ہو رہی ہے۔

(ہندوستان ایکسپریس، نئی دہلی، ۱۶/اپریل ۲۰۲۴ء بروز منگل)

(بقیہ صفحہ 9 کا)

چھپالیا تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا کیونکہ اللہ رب العالمین فرماتا ہے!اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اور اگر بالفرض ایسا آپ نے نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہ پہنچایا، فریضہ رسالت ادا نہ کیا (صحیح مسلم 439 صحیح بخاری 4612) ان احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ جس کام میں خیر وبھلائی ہے وہ کام کرنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا اور جس کام میں برائی ہے۔اس سے آپ نے امت کو منع فرمایا لہذا دین میں کمی و بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی اور وہ اسے دین کا کام سمجھتا ہے تو گویا وہ اس بات کا قائل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام الہی پہنچانے میں خیانت کی ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالی تو فرماتا ہے کہ ہم نے آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے پس جو چیز اس دن زمانہ رسالت میں دین کا کام نہیں تھی وہ آج بھی دین کا کام نہیں ہو سکتی مقدمہ السنن والمبتدعات لمحمد بن احمد عبد السلام الشقیری۔نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود (قابل عمل نہیں) ہے (صحیح بخاری 2697) لہٰذا معلوم ہوا کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کامل ترین دین ہے قیامت تک اس میں نہ کمی کی گنجائش ہے اور نہ بیشی کی۔

☆☆☆

اطلاع

عیدالفطر کی تعطیلات کے سبب 30-16 اپریل 2024 کا شمارہ شائع نہیں ہو سکا۔اس لئے قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس شمارے کا انتظار نہ کریں۔(ادارہ)

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292